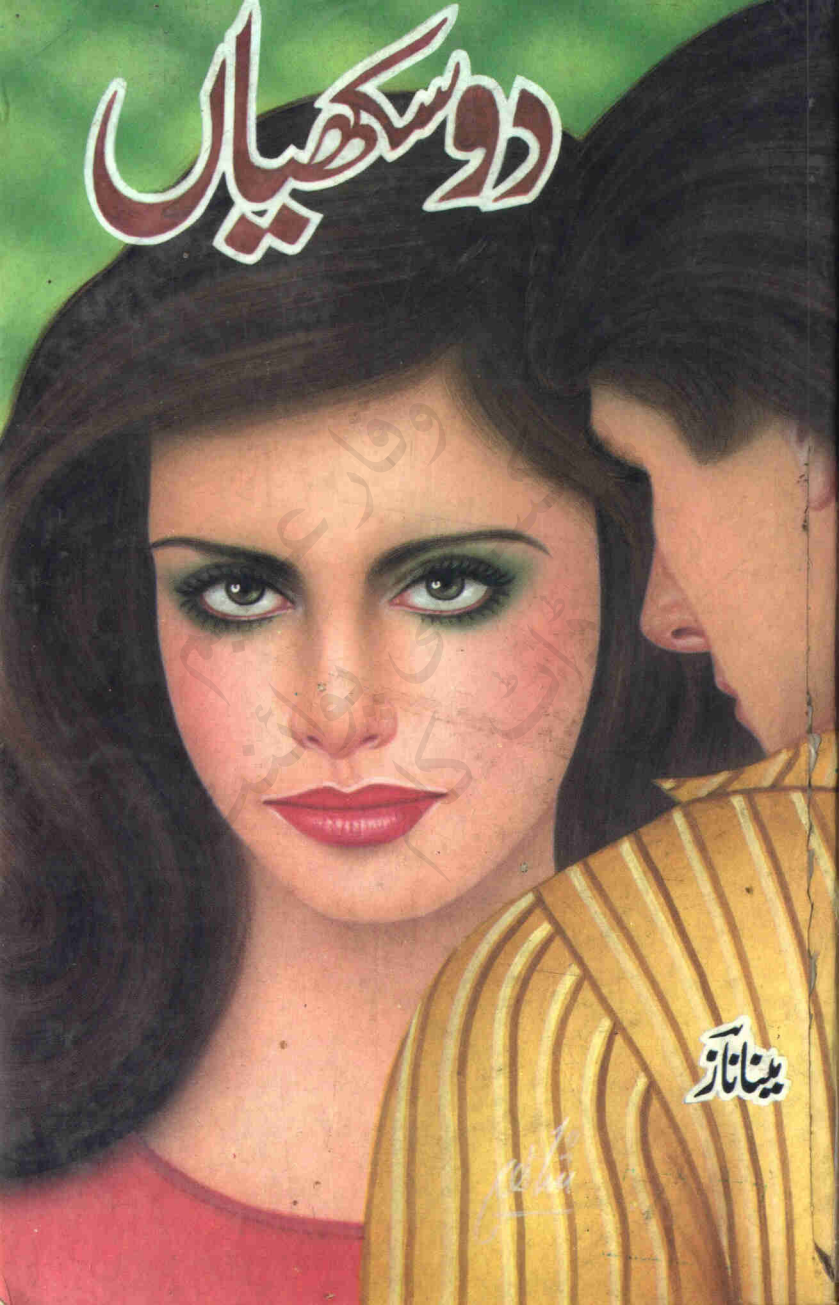


دوستکھیاں



مینا ناز

مینا ناز

چند باتیں

مینا ناز کے نئے ناول کے لئے انتظار بھی تو نہیں کرنا پڑتا۔ ”دوسکھیاں“ دلچسپ ناول ہے۔ اسی انداز میں جیسا کہ پہلے ہوتا رہا اور ویسے ہی ذہنی پر ضرب لگانے والے تحریر کے ساتھ جیسا کہ مینا ناز کے خصوصی افرادیت ہے۔

کسی بھی صاحبِ کمال فنکار کے لئے فنی کو بامِ عروج تک مل جانے کے لئے نکمرا نکمرا اور یادگار فنی پیشے کے نا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ لکھنے کے معیار میں مینا ناز میں یہ خداداد قابلیت موجود ہے۔

مینا ناز..... ادھر ادھر بکھری ہوئی کہانیوں کو نہیں بیٹھتے۔ بلکہ انے داستانوں کو الفاظ کے ردپے میں ڈھال دیتے ہیں جنہیں سنانے سے پہلے سنانے والے کی نفوس کے رقتار تیز اور دل کے دھڑکنے بھی دو چند ہو جاتی ہے۔ وہ کہانیوں کو اپنی تحریر کے زور پر زندہ و جاوید بناتے ہیں۔ بلکہ تاریخی انے تحریر میں ادب کے چاشنی بھی پارتے ہیں اور نہ بھڑکنے والے واقعات بھی جو کبھی کبھار انہیں خود اپنے ہی کہانی میں معلوم دیتے ہیں۔

مینا نا..... ایک حساس ذہن کے مالک، سوچ میں ڈوبے
 آنکھوں کے ساتھ شب و روز شرارتیں کرنے کے عادی ہیں مگر جب
 ان کے ہمت میں قلم ہوتا ہے تو یہی احساسات اور شرارتیں الفاظ کے
 روپ میں ڈھل جاتی ہیں۔ شاید اسی لئے مینا نا آج کے معاشرے
 کے برجستہ نقاد اور پسندیدہ ادیب کے روپ میں متعارف ہیں۔
 مینا نا کا یہ بھی ناول..... ایک ایسے ہی یادگار
 تحریر جو شاید آئے دن دور میں حوالے کی کتابوں میں شمار
 کی جائے۔

(ادا رے)

چٹاخ کی آواز سے پورا ماحول گونج کر رہ گیا۔
 وہ تھپڑ کھچھ ایسا ہی زوردار تھا کہ آصف کی آنکھوں میں اندھیرا جمے ہو،
 کرسیوں کی مانند قہقہے کراٹھا تھا۔
 بے شمار لگاؤں و لوگوں پر جم کر رہ گئی تھیں۔
 یہ واقعہ پریڈی اسٹریٹ کے کراسنگ پر رونما ہوا تھا۔
 آصف کے تھپڑ مارنے والی سر سے پاؤں تک شعلہ بنی اسے خونخوار
 نظروں سے گھورے جا رہی تھی۔
 وہ غیر معمولی حد تک خوبصورت لڑکی تھی۔ بھرے بھرے جسم کے نشیب و فراز
 بائیس تیس بہاروں کا خمار لیے ہوئے تھے۔
 بات معمولی نوعیت کی ہی تھی جس پر اتنا بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ آصف
 شاپنگ سینٹر سے نکل کر تیزی سے گھر رہا تھا مگر سامنے سے آنے والی اس قیامت
 کو نہ دیکھ سکا جس سے ٹکرا کر اس نے پریڈی اسٹریٹ کے کراسنگ کو تماشا گاہ بنا ڈالا تھا

وایں رخسار پر وہ ہاتھ رکھے بھونچکا سا کھڑا ایک جھپکائے بغیر اس کو وہ
دیکھے جا رہا تھا۔

بدتمیز — اندھے ہو کیا — طوفان نے منہ کھول دیا تھا جس
لوہار کی بھٹی میں تپتے ہوئے لوہے کی مانند سرخ ہو گیا تھا۔
بج — جی — وہ مزید کوجھلا گیا۔

ہم پوچھ رہے ہیں کہ اندھے ہو کیا — وہ پھر کر بولی۔
غلطی ہم دونوں کی ہے۔ مم..... محترمہ۔ آصف نے اپنے آپ کو سنبھالنے
کی کوشش کی۔

بکواس نہیں — وہ غرا کر بولی۔

لیکن —!

شٹ اپ — وہ اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے
تگے بڑھ گئی۔ اور وہ لگا ہی کچھ ایسی ہی تھیں جیسے آصف کی حیثیت اُس کے سامنے
فریب ہو کمتر ہو۔

خون ہی تو کھول کر رہ گیا اس کا۔ اُس نے پلٹ کر جب اُس قیامت
کی طرف دیکھا تو کئی آوازیں ایک ساتھ اُس کی سماعت سے ٹکرائیں۔

کیا بات ہوئی تھی جناب —؟

آصف پھر سنبھل گیا اور خفت مٹانے کیلئے ایسے انداز میں آہستہ

سے بولا۔

غلطی ان کی تھی —!

آخر ہوا کیا تھا؟ ایک صاحب چپختے ہوئے لہجے میں بولے۔
آصف کا ذہن اُس کے مشکوک انداز پر جل گیا۔ لہذا وہ اُسے گھورے
ہوئے بولا۔

آپ سے مطلب —؟ انداز پھار کھانے ایسا ہی تھا۔

کمال کرتے ہیں آپ بھی —!

تمپٹر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آصف ہونٹ سکڑ کر بولا۔
کیا مطلب —؟

شٹ اپ — آصف غرا کر اُگے بڑھ گیا۔

وہ اب مزید تماشا بننا نہیں چاہتا تھا۔ مگر یہ بھی کس قدر اخلاق سے
گرمی ہوئی بات تھی کہ ایک اتفاقیہ حادثے پر وہ اس قدر چراغیا ہو گئی کہ بھری ہوئی
ٹرک پر اُس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔

وہ تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور اُس کا ذہن —
وہ تو یوں جل رہا تھا جیسے اُسے الگادول پر رکھ دیا گیا ہو۔ بڑی تیزی سے اس نے
یوٹرن لیا تھا۔ پیسوں کی چڑچڑاہٹ نے پورے ماحول کو سچنے پر مجبور کر دیا لوگ
اودھل دھر بھاگ کر اُسے راستہ دینے پر مجبور ہو گئے۔ اور آصف آندھی اور طوفان کی
مانند وہاں سے نکلنا چلا گیا۔

وہ ایک دھیمہ اور خوش مزاج نوجوان تھا لیکن اس قدر توہین آمیز اور تضحیک
پاکیز سلوک کا اُسے کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

ہوسپٹل سے نکلے ہوئے اُسے مائی کی فرمائش یاد آگئی تھی۔ اور وہ

شاپنگ کے لئے پرڈی اسٹریٹ اٹکاتا مگر جب اُسے وہ اپنی مطلوب چیزیں ملیں تو اس نے کسی دوسری جگہ جلتے کے لئے سوچا تھا لیکن یہ سنگین حادثہ ہو گیا اور اب وہ خالی ہاتھ کوٹھی واپس جا رہا تھا۔

اس وقت اس کے اعصاب پر بھجھلاہٹ طاری تھی۔ اور وہ اُس مانی کے پاسے میں سب کچھ بھول گیا تھا جو اُسے اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز تھی جسکی معمولی معمولی فرمائش پر سینکڑوں روپے خرچ کر دیتا تھا۔

مانی — جو اُس کی بیٹی تھی اپنی بیوی کا ایک دلکش تحفہ جو وہ مرتے وقت اُسے بخش گئی تھی۔

افشاں جو اس کی شریک حیات شریک سفر تھی۔ کار کے حادثے میں مرت کے بھیمانک جہڑوں میں جا پھنسی تھی اور مانی جو اس وقت صرف تین سال کی تھی ماں کے پیار سے محروم ہو گئی۔

مامتا کے ٹھنڈے اور لطیف چھاول سے درد ہو گئی۔

آصف مانی کیلئے ماں کے پیار اور باپ کی شفقت کے لئے سر اچا محبت بن گیا اور وہی مانی اب نو ریس کی ہو چکی تھی۔

آصف ایک ڈاکٹر تھا ایک ایسا ڈاکٹر جس کے ہاتھوں میں قدرت نے بے پناہ شفا بخش رکھی تھی۔ دنیا والوں کے زخموں پر مرہم رکھنے والا انسان خود زخموں سے چور — پابج زندگی لئے بری طرح رینگ رہا تھا۔

افشاں اس کی بیوی ہی نہیں تھی بلکہ اُس کے دل کی دھڑکنوں میں متاثر

رغائبوں کے ساتھ کھلا ہوا ایک ایسا پھول تھا جسے اس نے من کے مندر میں سجایا رکھا تھا لیکن قدرت نے اُس سے لیکھنت وہ پھول جھین لیا۔

بہار پر خزاں غالب آگئی۔ ایک چمن ویران ہو گیا۔ اور — افشاں منزل کے قہقہہ دم توڑ گئے۔ اور آصف کی پوری دنیا اندھیر ہو گئی۔ زندگی پابج ہو گئی۔ تاکنگ کے پیر سوکھ کاٹا ہو گئے۔

افشاں کے حادثے کو تقریباً پانچ سال ہو چکے تھے۔ اور زخم جو ہر وقت ماسوک طرح رستا رہتا تھا۔ مانی کے معصوم قہقہوں نے اُس پر مرہم رکھنا شروع کر دیا تھا۔ مانی نے اس کی زندگی میں ایک خاموش سی جہل پہل پیدا کر دی تھی۔ اور آصف پوری توجہ سے مانی کے مستقبل کی طرف شفقت کے لئے مستوج ہو چکا تھا۔

اُس کی مصروفیات بہت محدود تھیں۔ ہسپتال سے گھر اور گھر سے ہسپتال۔ مگر اس وقت غیر متوقع حادثے نے اس کے ذہن پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ ذہنی پراگندگی کا یہ عالم تھا کہ وہ بیٹی کی فرمائش تک بھول گیا۔ اور خالی ہاتھ کوٹھی تک لوٹ آیا جو نہی اس نے برآمدے کی بڑی روش پر گاڑی کھڑکی کی۔ مانی اپنے کمرے سے کڑی کی آواز سن کر تیری سے باہر نکل آئی اور دور سے ہی اپنی مخصوص آواز میں نور سے بولی۔

”الو —“

اس لفظ الو میں بجائے کیا تھا کہ آصف لولہ کا جیسے وہ نیند کی حالت میں بھلاں تک پلا آیا ہو۔

مانی بھالتے ہوئے آئی تھی اور اپنے مخصوص انداز میں برآمدے کی سیڑھیوں پر سے
 پھلانگ لگا کر باپ کے گلے میں بائیں ڈال کر چھوٹنے لگی۔
 آصف نے اسے پیار کرتے ہوئے علیحدہ کیا اور بولا۔
 آج ہم سے ایک جرم سرزد ہوا ہے بیٹی۔
 کونسا جرم ابو — ”وہ اپنے چہرے پر فرشتوں جیسی پاکیزگی اور معصومیت لئے
 حیرت سے بولی۔

تمہاری چیزیں نہیں لائے آصف یوں بولا جیسے ندامت کے حصار میں گھیر
 گیا ہو۔

کیوں —؟

بھول گئے۔

بھول گئے — مانی حیرت سے بولی۔ پھر وہ یگانگت کھل کھلا کر

ہنس پڑی اور کھنکھاتی ہوئی آواز میں بولی۔

آپ نہیں بھول سکتے۔ مجھے تنگ کرنا چاہتے ہوں گے۔

نہیں یہ بات نہیں —

تو پہلے ہم گاڑی دیکھ لیتے ہیں۔ مانی دھمکی آمیز انداز میں واپس پلٹی۔

آصف نے مسکرا کر بیٹی کا کان پکڑ لیا اور بولا۔

چائے کے بعد ہم تمہیں ساتھ لے چلیں گے۔ جاؤ تم بابا دیو کو چائے کا کپڑا

مانی ابھی ابھی نظروں سے باپ کی طرف دیکھتی ہوئی پل پڑی۔ اور آصف شرمندہ
 شرمندہ سا کرسی پر گر پڑا۔

آخر یہ کیا حماقت تھی کہ وہ خالی ہاتھ سیدھا گھر چلا آیا۔

حادثہ تو اتفاق تھا۔ جو کچھ بھی ہوا مگر مانی کی چیزوں کو کیوں نظر انداز کر دیا گیا۔ خروہ
 کیا سوچے گی اس وقت آصف کو ذہنی طوفان پر۔ بخ کا احساس ہوا اور اس نے وقتی طور پر
 اس اچانک حادثے کے تاثرات کو ذہن سے جھٹک کر مانی کے ساتھ دوبارہ شہر جانے
 کا فیصلہ کر لیا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی اس کی معمولی سی کوتاہی کی خاطر اپنے ننھے
 سے ذہن پر کسی قسم کا دباؤ ڈالے۔

جب مانی واپس کمرے میں آئی تو آصف نے مسکراتی ہوئی شفیق نظروں
 سے اس کا استقبال کیا۔

آخر کیوں ہوا ؟

آصف کا ذہن بنائے میوں جل جاتا تھا۔

اس کا دل چاہتا کہ ایک بار پھر ایسا اتفاقیہ حادثہ پیش آئے
اور وہ اتنی زبردستی اس کے تھپڑ مارے کہ اس کا غرور
اور اس کے حسن کی تمام تر عنائی میں پرستے ضرورت سے زیادہ ناتواں ہے پرست
سے پانی کی طرح کپڑے کا روپ دھار کر اس کے قدموں میں آگے۔

ہاں وہ اسے اس قدر زبردستی تھپڑ مارے کہ وہ مرتے دم تک
زندگی کے آخری ایام میں بھی اس کی انگلیوں کے چھوڑے ہوئے داغ نہ دھو سکے
کتنی نفرت انگریز لگا ہیں تھیں وہ.....

جیسے نالی سے کسی انسان کے بجائے گندگی کا کپڑا اس
کے سامنے آکر ہوا ہو.....

لاکھ کوشش کے باوجود بھی آصف اس واقعہ کو ذہن سے نہ کھینچ سکا
ہو پٹل ہو یا گھر۔ ہر وقت۔ ہر لمحے اُسے یہ احساس ہوتا جیسے کسی نے
اس کی شرافت اور شخصیت کو سر یا زار تار تار کر کے اس کی عزت کا بھرم کھول دیا ہو
اس تھپڑ کی آواز کو بے شمار لوگوں نے سنا تھا۔

کس قدر تضحیک آمیز سلوک کیا گیا تھا اُس سے۔ دیکھنے والوں نے
اس کی شخصیت کے بارے میں کیا رائے قائم کی ہوگی۔

منجانب سے کیا بات تھی کہ آصف اُس توہین آمیز سلوک کو کسی طرح بھی نہ بھلا
سکا۔ وہ کہ اس کے دل میں آنا کہ اس سے اچانک اتفاقیہ ٹکرا جانا اس قدر سنگین جرم تو
نہیں کہ انسان اخلاقی قیود اور انسانی شرافت کے ضابطوں کو نظر انداز کرتے ہوئے
تنگ ہو جائے۔

آخر تھپڑ کیوں؟ بدتمیز جیسا زہریلا الفاظ ہی کیوں؟
اور پھر وہ نظریں۔ جس سے اُس نے دیکھا تھا۔ جیسے کہ اُس
کی نظروں میں بہت ہی کم تر نہ ہو۔ منڈیوں میں بکنے والا کوئی ارزاں
جنس جس کی اس کی نظروں میں ذرہ بھر بھی اہمیت نہ ہو۔
یا پھر۔۔۔ اس سے بول سہرا ٹکرا جانا قابلِ نفرت ہو۔ مگر اس میں

کسی قسم کی شرارت کو دخل تو نہیں تھا۔

پھر ایسا کیوں ہوا؟

آصف کی ذہنی وجہ اس موٹے پہنچے تو وہ بڑے غصیلے انداز میں بری طرح
سلگ اٹھا۔ حالانکہ وہ خود نہایت ہی ملتسار اور خوش مزاج انسان تھا لہذا
جیسے اذیت ناک حادثے کو وہ برداشت کر گیا تھا۔ بڑی سی بڑی بات کو وہ
اب بھی یوں نظر انداز کرتا تھا جیسے اس کی تپڑوں میں اس کی کوئی اہمیت ہی
نہیں ہو۔ ایک بار تو ایک مریض نے اس کا گریبان پکڑ کر نہایت گندی گندی
گالیوں سے ڈالی تھیں مگر کیا مجال کہ اس کی پیشانی پر شکن تک ابھری ہو۔

اور وہی آصف اس واقعہ پر بری طرح کھول رہا تھا کوشش کے باوجود
بھی وہ اس توہین آمیز حادثے کو ذہن سے نکال نہیں پارہا تھا۔

اس وقت وہ ایک مریض کو چیک کر رہا تھا کہ بیاض خونی ہو چکا ہے۔
کیا آپ ڈاکٹر ہیں؟ وہ اس سے استفسار کر رہی تھی مگر ہیچ رولٹ سے
بھر لو پانڈاز۔ جس سے آئے یوں موس ہوا جیسے وہ پھر پڑی اسٹریٹ
پر کھڑا اپنا گال مہلار رہا ہے۔

آصف نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور اپنے آپ کو
قابو میں رکھتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

ہاں میں ڈاکٹر ہوں۔

اگر آپ ڈاکٹر ہیں تو ذہنی طور پر اپنے مریض کے قریب نہیں۔۔۔۔۔
حالانکہ میں نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر عجیب اپنے کسی مریض کو دیکھ رہا ہوتا ہے تو ذہن اٹل اور تھما

جہانی قوت کے ساتھ اپنے مریض پر عادی ہوتا ہے۔

کیا آپ جوشی ہیں محترمہ؟ آصف کچھ چڑسا گیا لیکن مدد مرے ہی
لئے اس کو اپنے اس رویہ کا جلد احساس ہو گیا۔ کیونکہ ایسا ہیجور کسی مریض سے ہوا
رکتا ایک اچھے ڈاکٹر کو زیب نہیں دیتا۔ اس نے زبردستی ہونٹوں پر مسکایا
بجھری اور مریض کے بازو کے زخم کو تھپک کر دیکھ لگا۔

انسانی مشاہدہ بھی کسی جوشی سے کم نہیں ڈاکٹر وہ تلخ
لہجے میں یوں اپنے الفاظ پر زور دے کر بولی جیسے اُسے یقین ہو کہ وہ
جو کچھ کہہ رہا ہے وہی حقیقت بھی ہے۔

آصف نے ایک بار پھر اُسے بخود دیکھا اور مزید چاہتے ہوئے بھونکے
سے بولا۔

انسانی مشاہدہ انسان کی اہمیت کا عامل نہیں۔

میرے مشاہدے ہی انسان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ایسا
ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا جو ذہنی طور پر بھی اپنے مریض سے بغیر حاضر ہو
آصف نے مسکراتی کوشش کی اور سر کو خفیف سا جھٹک کر سیدھا
ہو گیا۔ اور آہستہ سے بولا۔

آپ کا زخم کافی حد تک بھر چکا ہے امید ہے دو چار دن تک آپ کو
رخصت کر دیا جائے گا۔

یہ کوئی ایسی بات تو کہیں جس میں نہیں جانتی میں جانتی ہوں کہ نہ تم
بھر رہے ہیں اور وہ چاروں تک گھر چلی جاؤں گی۔
پھر آپ کیا چاہتی ہیں؟ آصف نے زچ کھانے ایسا نلہ میں مسکراتے
کی کوشش کی۔

کوئی ایسی بات کیجئے جو میرے علم میں نہ ہو۔ وہ دعوت سے بھرپور انداز میں ملی
ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں جو کہل۔ آصف کا ذہن سلگ اٹھا۔
تو پھر مان لیجئے کہ میرا مشاہدہ اس نلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔
زبردستی مان لوں۔

اس میں آپ کی ہی بہتری ہے۔ وہ ہونٹ سکڑ کر کہی۔
کیا مطلب! وہ چونک کر کہی۔

مطلب یہ کہ آپ کو اپنے مضبوط دلائل سے قائل کرنے کے لیے مجھے
آپ کا ایسا گہری وقت برباد کرنا پڑے گا جو صرف مریضوں کا حصہ ہے۔
شکریہ! آصف بتی سے آگے بڑھ گیا۔

بدتمیز۔ وہ اس کی پشت پر نظر لی جھانک رہی تھی۔

آصف بری طرح لڑکھڑایا تھا۔ آسے بولیں محسوس ہوا جیسے پگھلا ہوا
سلیسہ اس کے پورے وجود میں اڑتا چلا گیا جو اس نے بھی تاس سے بڑی
نفرت سے بدتمیز کہا تھا۔ آصف کے ذہن میں جیسے انکلاؤں کی بارش ہو گئی

ہو۔ اس کے پاؤں جیسے فرش نے پکڑ لئے ہوں۔ وہ وہیں رک گیا تھا اس
کی پشت مریض کی طرف تھی ایک لمحے کے لئے تو ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کسی
پتھر کے غیسے میں ڈھل گیا ہو۔ پھر وہ کچھ لمحوں بعد مڑے اور اس کی طرف دیکھے
بغیر تمیزی سے ایک غمگین مریض کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

ذہن بری طرح سلگ اٹھا تھا عجیب سی سنسنی ہٹ تھی جو اس کے
پورے وجود میں دوڑ رہی تھی۔

بدتمیز۔ اس کا ذہن اس ایک لفظ کے دھمکے سے یوں پھٹا
جیسے کسی غبارے کے نو ہوا کی زیادتی آتے پھاڑ ڈالتی ہو۔

وہ ایک ڈاکٹر تھا۔ بہت اچھا ڈاکٹر۔ جس سے پورا اسٹاٹ مل کی
گہرائیوں سے محبت کرتا تھا اسٹاٹ کے کسی فرد کو بھی اس سے ذرا برا بھی
شکایت پیدا نہیں ہوتی۔ وہ ہر دلعزیز ڈاکٹر تھا۔ اسٹاف اور مریضوں کے
لیے ایک شفیق باپ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ وہ مریض کے ہڈیاں کو نظر انداز کر دیتا دس گالیاں اور
وے لیتا تو شاید تب بھی اس کے کان پر ہوں تک نہ رینگتی۔ وہ صرف مسکرا کر درگزر
کر مباتا۔

مگر۔۔۔ مریض کے لہجے میں اتنے وہی نفرت کا احساس ہوا تھا اس
عادثے کی یاد تازہ ہو گئی تھی جو اس کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا۔

اس مریض کا بھی وہی انداز تھا۔ وہی رعوت سے بھرپور انداز اور نفسیت لئے ہوئے تھو۔

اور پھر ————— وہی ایک ہی جملہ ————— بدتمیز
وہ سیدھا اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا تھا۔

حالانکہ اس کے بعد اس نے کئی مریضوں کو دیکھنا تھا لیکن جب اس کا ذہن
وہی مغلوث ہو کر رہ گیا تھا تو وہ مریضوں کو اس حالت میں دیکھنا۔

ذہنی پرانگی کی حالت میں وہ سگریٹ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک
گیا۔ وہ سوچا رہا تھا کہ انسان اپنی سطح سے اس قدر کیوں گر جاتا ہے۔ اور کئی
عورت کو اگر قدرت حسین چہرہ دے دیتی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ مرد کی
ذات اس کی نظروں میں نیچی ہو کر رہ جائے۔

کیا وہ یہ سوچتی ہے کہ انسان اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اسے ایک
عورت کی اپنے لئے ہر قدم و ہر موڑ پر ضرورت ہوتی ہے اگر یہ بات ہے تو پھر عورت
کس قدر فریب میں مبتلا ہے جو ہر حالت میں برتری حاصل کرنا چاہتی ہے۔
سر ————— اچانک ایک اسٹاف نرس نے کمرے میں داخل ہو کر
اُس کے تلخ خیالات کا شیرازہ بکھیر دیا۔ وہ چونک کر سیدھا ہو گیا اور ادھیلے
سگریٹ کو کس کے ایشی ٹریے میں سل دیا۔ اور جب اس نے استقبال
نظروں سے نرس کی طرف دیکھا تو وہ ہلکی

سولہ نمبر کی مریض کی حالت پھر غلبہ ہو گئی۔

ادھ ————— وہ یکھوت کر سی چھوڑ کر اٹھ گیا۔ اُسے بڑی شدت
سے اس بات کا احساس ہوا کہ اگر میں کمرے میں آکر نہ بیٹھتا تو کم از کم اس مریض
کو تو ضرور چیک کرتا جواب اس کی تا ہی اور غفلت کی نذر ہو گئی۔

وہ نرس کے ساتھ بڑی تیزی کے ساتھ سولہ نمبر بیڈ کی مریض کی
طرف جا رہا تھا۔

مریض کی حالت بہت خراب معلوم ہو رہی تھی۔ آصف نے اسے دیکھنے
کے بعد نرس کو انجکشن تیار کرنے کو کہا۔ اور کئی دوائیاں لکھ کر نرس کو دیتے
ہوئے کہا۔

ڈاکٹر خنزہ سے کہہ کر اس مریض کو اپنی نگرانی میں انجکشن اور کیپسول
دیں۔ بہت اچھا سر ————— نرس بہت آہستہ سے اپنی مترنم آواز میں گنگنائی۔
آصف وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ مطلق تھا مریض کی حالت اس کے
قالب سے باہر نہ نکلتی مگر اس کے باوجود بھی اس سے کتنا ہی ہوتی تھی۔ مریض
موجودہ اسٹیج پر نہیں پہنچی۔ اگر وہ وقت پر آگای کو دیکھ لیتا۔ اپنے آپ کو
کوستے ہوئے وہ ذرا مت کے حصار میں ڈوبے ڈوبے وہ پھر غراردی طرے
اپنے کمرے میں آگیا۔

ذہن میں دھمکنی کی بازگشت وہ اب بھی من رہا تھا۔ اس نے کئی بار

کو شمش کی کہ وہ اس توہین ایمیز سلوک کو یکسر بھول جائے۔ مگر لفظ بدتمیز“
تھا کہ زمین سے چمک کر رہ گیا تھا۔ سگریٹ سلگا کر وہ ایک بار پھر کسی کی پشت
سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وقت کا تیزی سے گزرنے کا اسے قطعی احساس
نہیں تھا۔ بنائے وہ کب تک یوں ہی بیٹھا رہتا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔
اوسوہ چونک گیا۔ اس نے سرخ سرخ نگاہوں سے ٹیلیفون کو گھورا۔ تو ایسے
تھے کہ اسے اٹھا کر باہر پھینکنے کا ارادہ ہو۔

بالآخر اس نے گریڈل سے ریمورا اٹھالیا۔

دوسری طرف سے مانی بول رہی تھی۔

الو کیا ابھی آپ کھانا نہیں کھائیں گے۔ مانی کی محبت سے بھرپور
آواز اس کے کالوں میں شہر چکا گئی۔

ہم آ رہے ہیں مانی۔ ڈاکٹر آصف اپنی اس کوتاہی پر مزید بھیغیلا
آپ پورے چالیس منٹ لیٹ ہیں ابو۔ مانی کے لپے میں اس بار
اجتناب عیاں تھا۔

دس منٹ تک پہنچ رہے ہیں۔ آصف نام سا ہو گیا۔ اور پھر
اس سے پہلے کہ مانی کے کسی اور سوال پر مزید نام ہوتا جلدی سے اس نے
رسلوہ کیڈل میں ڈال دیا اور کوٹ پہنتے ہوئے باہر نکل آیا۔ اچانک
اسے سولہ نمبر کی مریضہ کا خیال آیا اس نے پھر اپنا رخ بدل دیا۔ وہ ایک نظر

مریضہ کو دیکھنا چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ مطمئن تھا۔ پورے پھر ڈاکٹر فرخندہ کی نگرانی
میں مریضہ کو دے چکا تھا۔

لیکن اس کے باوجود بھی وہ اس کو ایک نظر دیکھ لینا چاہتا تھا۔
مریضہ کے پاس صرف ایک زس کر سی ڈالے موجود تھی۔ ڈاکٹر فرخندہ اسے
دکھائی نہ دیں۔

نرس ڈاکٹر آصف کو بے وقت اور غیر متوقع طور پر آتے دیکھ کر گھبرا
کر کھڑی ہو گئی۔

آصف نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے بے خبر سوتی ہوئی مریضہ کی
طرف دیکھا اور نرس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

ڈاکٹر فرخندہ کہاں ہیں؟

مریضہ کی حالت اطمینان بخش تھی اس لیے دیکھنا کھانے تشریف
لے گئیں۔

”ہوں۔“ آصف نے گردن کو خم دے کر ہنکارا بھرا اور پھر
تیزی سے وہاں سے نکل چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ نیگے کی بڑی روش پر گاڑی کھڑی کر رہا تھا۔
مانی بلا مدد کے کے ایک سٹون سے ٹھک لگائے بڑے خستگی انداز
سے باپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

آصف کا دل ہی تو کٹ گیا۔ ان کی بیٹی کے روٹنے کا یہ انداز ان کے لئے بڑا صبر آزمایا ہوتا تھا۔ کیونکہ اس وقت مانی نے ابوکچہ کراس کے گلے میں باہنیں سنپیں ڈالی تھیں۔ جس سے ظاہر تھا کہ ان کی کوتاہی پر ان کی بیٹی ناراض تھی۔ انہوں نے زبردستی مسکرائے کی کوشش کی اور اس کے قریب پہنچتے ہوئے بولے۔

کیا میری بیٹی ہم سے بہت ناراض ہو؟
 ”بس۔ نہیں بولتے۔“ مانی منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔
 اگر اس قدر ناراض ہو تو یہاں کھڑے ہو کر ہمارا انتظار کیوں کر رہی ہو۔
 سنیں ہم آپ کا انتظار نہیں کر رہے تھے۔ وہ رخ پھیرے
 پھرے آہستہ سے بولی۔
 پھر یہاں کیوں کھڑی تھیں۔

ہم اپنے ابو کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ روٹھے ہوئے لپو میں بولی
 آصف نے پکڑ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ اور جذبات سے بھرپور
 آواز میں بولے۔

بھئی معاف کر دو۔ ایک مریض کی حالت کچھ زیادہ خراب تھی
 اس کے باوجود بھی آپ نے ہمیں ٹیلیفون نہیں کیا جبکہ کبھی ایسا
 نہیں ہوا۔

اچھا بابا معاف کر دو۔ آصف نے اُسے گود میں بھر لیا۔
 بس ہم روٹھ گئے ہیں۔ آپ مانیجے۔ مانی بدستور دھڑکی رہی ہے۔
 تو یہ بات ہے۔ آصف نے مسکرائے کی کوشش کی۔ اور پھر مانی کو
 بازوؤں میں لیکر اٹھا لیا۔ اور اسے یونہی اٹھائے ہوئے کھانے کے کمرے کی طرف
 بڑھ گئے۔

مانی نے جلدی سے اپنے دونوں بائیس ڈاکٹر آصف کی گردن میں
 حائل کر دیں۔

اے اسی لمحے باپ کے سینے میں جیسے ٹمنڈک سی بڑگی ہو۔ روٹھی
 ہوئی مانی باپ کی محبت بھری آغوشیں پا کر راضی ہو گئی تھی۔
 اور آصف ان خوش آمداد کیف آگیاں سمات میں سارے تلخ ذوقیات
 بیٹی کی محبت میں بھول گیا تھا۔

کچھ لوگ جبکہ مسکراہٹوں کے خزانے رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی
اپنی مسکراہٹوں کو لباس میں چھپائے رکھتے ہیں۔ ایسا کیوں کرتا ہے سر۔
آصف کی مسکراہٹ ایک بیک غائب ہو گئی۔ وہ یوں ہنسے جیسے
کچھ دیر قبل غیر ارادی طور پر مسکراتے رہے ہوں۔

”ہم سمجھے نہیں۔“ وہ محتاط انداز میں نہایت سنجیدگی سے جواب دے۔
ڈاکٹر فرخندہ کو بھی شاید اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ مگر تیر کمان
سے اٹھ چکا تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس نے براہ راست ڈاکٹر آصف پر
حملہ کیا تھا۔ اب اس سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بات بتاتے ہوئے
بہلے۔

دماغ میں برنامہ کے اس قتل کا نشانہ کر رہی تھی کیا واقعی ایسا ممکن ہے
کہ انسان اپنی مسکراہٹ پر بھی پہرہ بٹھا دے۔
شاید آپ اور بھی کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ ڈاکٹر آصف اس بار زبردستی
مسکرائے تھے۔

فرخندہ لگا ہی چرائی۔ مزید بھڑ بھڑنے کی شاید اس میں جرات نہ تھی۔
ڈاکٹر آصف اس کی حالت دیکھ کر ایک بار پھر ہنس کھڑا کر رہیں۔
لیکن مسکراہٹ کے کھوکھلے پن کو چھپانے کے لیے وہ کہہ رہے تھے۔
دماغ میں مسکراہٹ دل کی مرہون منت ہوتی ہے۔ ایسی مسکراہٹ

ڈاکٹر آصف کا اس وقت بڑا ہی خوشگوار تھا۔ کافی دنوں بعد وہ کھل
کھلا کر ہنس پڑا تھا۔ ڈاکٹر فرخندہ اس کے سامنے بیٹھی چائے کی پلکی پلکی
چسکیں لے رہی تھی اور شروع لگا ہوں سے اس کی طرف نیم دائروں سے
دیکھے جا رہی تھی۔

ڈاکٹر فرخندہ نے اسے کوئی دلچسپ لطیفہ سنایا تھا۔ جس پر آصف
کھنکھلا کر ہنس پڑا تھا۔ دونوں اس وقت آفس کے کمرے میں چائے پی رہے
تھے۔ ڈاکٹر فرخندہ نے ڈاکٹر آصف کو ایک مدت بعد یوں ہنستے دیکھا
تو بہلے۔

اچھا ایک لطیفہ اور سنائیے۔

نہیں سمجھتی بس۔۔۔ وہ برابر مسکرائے جا رہے تھے۔
ڈاکٹر فرخندہ نے چائے کی پالائی میز کی سطح پر آہستگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

جودل کی گہرائیوں سے ابھرے ادیب انسان کسی ایسے جذبے کو میٹھی نیند سے دوسے جو اس کے لئے بہت مقدم رہا ہو۔ تو اس کی مسکراہٹ قدرتی طور پر نہ ہر آدمی بن جاتی ہے۔ اگر وہ مسکراتے ہوئے بھلے سے کام لے تو دوسرے انسان کو اس کے کیریکٹر پر کسی قسم کا شبہ نہیں کرنا چاہیے۔
ڈاکٹر فرزندہ فرزندہ سی ہو گئی۔ اس کی نظریں چائے کی پیالی پر جیسے جم کر رہ گئی ہوں۔

ڈاکٹر آصف جو چائے ختم کر چکے تھے نہایت سنجیدگی سے بولے۔
سورہ نمبر بیڑ کی ریفرنڈم کس پوزیشن میں ہے۔

بہت تیزی سے صحت یاب ہو رہا ہے۔ اور۔۔۔ وہ مزید کچھ کہتے کہتے رگ گئی اس کی نظریں سامنے والے دروازے پر جم کر رہ گئیں جیسے جیسے کا پردہ ہٹا کر ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی اندر داخل ہو رہی تھی۔
پھر جیسے ہی آصف کی نظریں آنے والی ہستی سے متصادم ہوئیں۔ اس کو یوں غسوس نہا جیسے اس کے دھڑک رہا میں اچھا لایا گیا ہو۔ یہ وہی لڑکی تھی جس نے پیڑھی اسٹریٹ کے کراسنگ پر ڈاکٹر آصف کے دائیں رخسار پر پوسٹا قوت سے تھپڑ مارا تھا۔

ڈاکٹر آصف۔۔۔ اس نے دعوت سے بھرپور انداز میں باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔ شاید وہ آصف کو پہچان نہ سکی تھی۔

”فرمائیے۔۔۔ آصف اس کی طبعی لینہ کو زلزلہ سے دیکھئے۔“

بولے۔

”آپ ہیں۔۔۔ وہ جھٹکے دار آواز میں بولی۔

بدقسمتی ہے میری، کہ مجھ ہی ڈاکٹر آصف کہتے ہیں۔

بدقسمت کیوں۔۔۔ وہ بڑے خوبصورت انداز میں آنکھیں جھپک کر بولی۔

فرزندہ نے بڑی بے صبری سے کرسی پر بیٹھے بیٹھے پہلو بدلا۔ کیونکہ اس

نے ڈاکٹر آصف کے رویے میں ایک غیر معمولی تبدیلی محسوس کی تھی۔

میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں ڈاکٹر آصف اس کے سوال کو نظر انداز

کرتے ہوئے سرسری انداز میں بولے۔

”ہوں۔۔۔“ اس نے پیشانی پر سلوٹیں ڈال کر ہٹکا رہا تھا۔ اور پھر

کھٹکتی ہوئی آواز میں بولی۔

جہانکادہ دست جس کا نام شگفتہ ہے آپ کے زیرِ علاج ہے۔ ہم

کچھ دنوں سے ہندوستان میں تھے۔ اس لئے اس کے بازو کے آپریشن کی خبر نہ

پاسکے۔

”پھر۔۔۔“ آصف کا انداز اب بھی سرسری تھا۔

”ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں ہمیں ان کے گھر سے معلوم ہوا ہے

کہ وہ ڈاکٹر آصف کے زیرِ علاج ہے۔“

ولا ياتهما

تو گائیڈ کیجئے نا۔۔۔ یہاں ہم جھک مارنے تو نہیں آئے۔ وہ ہشتانی
پر مزید سنوٹیں پیدا کرنے ہوئے ہونٹ سکڑ کر کی ہوئی۔

چلے یہ فرض ہم ادا کئے دیتے ہیں۔۔۔ نہانے ان کے رویے میں یہ غیر معمولی تبدیلی کیوں رونما ہوئی تھی۔ کہ وہ خود کو سی چھوڑ کر اٹھ گئے تھے یہ تو وہ سمجھتے تھے کہ یہ معذور لڑکی انہیں اس روپ میں پہچان ہی نہیں سکتی۔

وہ بیزی سے دروازے کی طرف بڑھے تھے۔ ہر منٹوں پر مسکراہٹ
 دس کنٹاں تھی۔ مگر تھی بڑی عارحانہ قسم کی۔

فرخندہ نے تیرت سے بڑی تیزی سے دیروں کو گردش دی لہذا کندھوں کو جھٹک کر یوں رہ گئی جیسے مجبور کی حالت میں سوائے اسی کے کوئی چارہ نہ رہا ہو۔

ڈاکٹر آصف لطیفانی اعجاز میں اس سے دو قدم آگے چل رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اپنے پیچھے تیز قدموں کی آوازیں صرصر سن رہا تھا۔

شکستہ نام کی وجہ ازلیہ تھی جس نے اسے اس آنے والی قیامت کا احساس

دولوں دوست تھیں مگر دولوں کے اندر ایک ہی قسم کی نفات موجود
تھیں۔ معمولی سا اتنا دقتلاش کرنا بھی مشکل تھا۔ دولوں مغرور دولوں کو
اپنے حسن پر ناز تھا۔ شاید ان دونوں کو اپنے حسین ہونے کا غیر معمولی احساس
تھا۔ اور ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے حسن کے استعمال سے بھی دقت رہا
ہوں۔ یہ بات ہو سکتی تھی ورنہ۔۔۔ اس قدر انسان سے بے رحم کسی
لہجے کا افسرین اور عورت پن کیسا۔ مریضہ شگفتہ کے کہہ رہے ہیں سنیچر کے افسر
رک گیا۔ اور بڑے ڈرامائی انداز میں اس شعلے کی طرف مڑے۔ اور بولے۔
”اور کوئی حکم۔۔۔“

شکریہ ڈاکٹر — ہم مشکور ہیں۔ وہ جھٹکے دار ادارے میں یوں بولی جیسے کہہ رہی ہو کہ اب آپ تم شریف لے جاسکتے ہیں۔ آپ کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر آصف نے اس کنی لگا ہوں میں چھپے ہوئے جواب کو پڑھ لیا تھا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے لٹن سے سس تک نہ ہوتے۔

بلو شگفتہ۔۔۔۔۔ وہ اس کی طرف لپکی۔

ہوا اسیہ۔۔۔ بے مروت کہیں گی اگر ہم مرجاتے تو۔۔۔ شگفتہ

شکایت بھرے انداز میں بولی۔

ہمارے ہوتے ہوئے تم کیسے مر سکتی تھیں۔ ویسے تمہاری المان

کے لیے عرض ہے کہ ہم ہسٹری میں تھے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا یہ تمہارے
ایکسپرنٹ کا سمنو... اور پہنچ نہ پاؤں۔

اتنا کہنے کے بعد شاید اسے ڈاکٹر آصف کی موجودگی کا احساس
ہوا تھا۔ اور وہ پلٹ کر بولی۔

شکریہ ڈاکٹر آپ.....

شکریہ تو پیسے بھی آپ ادا کر چکی ہیں میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔
اور اب بھی فرض ادا کر رہا ہوں۔

ہم سمجھے نہیں۔! وہ تیوری پر بل ڈال کر بولی۔

حسن شکن آلود ہو گیا تھا۔

صرف تین منٹ آپ مریضہ سے گفتگو کر سکتی ہیں۔

یہ پرائیویٹ روم ہے ڈاکٹر۔ وہ ہونٹ بھیج کر بولی۔

یہ میری مریضہ ہے خیر نہ آسیہ اور ڈاکٹر اپنے مریض کے بارے

میں بہتر جانتا ہے۔

”سٹاپ۔“ وہ سرخ چہرے کے دوران غرائی۔

ایک شعلہ سا چمک گیا تھا۔ ایک دھماکہ ہوا تھا جس سے کمرے

کی نقا بہم کردہ گئی تھی۔

دوسری طرف شکفتہ کا چہرہ بھی سرخ ہو گیا تھا۔

اور ڈاکٹر آصف برابر مسکرائے جا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی
ذہرا لود تھی۔

ڈاکٹر۔۔۔۔۔ شکفتہ ہونٹ بھیج کر بولی۔

آپ خاموش رہیے۔ آپ کا اس حالت میں بولنا نقصان دہ

ہے۔ ڈاکٹر آصف کے لیے میں اس بار سٹھاس تھی۔

ہم کہتے ہیں کہ باہر نکل جاؤ۔ ورنہ۔۔۔ آسیہ نے عملہ ادھورا

چھو کر غصے کی شدت سے ہونٹ چبا لئے۔

ورنہ آپ تشریف لے جائیں گی۔

اد۔۔۔ گٹ آؤٹ۔۔۔ آسیہ تلملا کر مچنی۔

لنگویچ پلیئر۔۔۔ ڈاکٹر آصف ہاتھ کر مزید مسکرایا۔

آسیہ کی لگا ہوں میں شعلے ٹپ اٹھے۔ وہ بڑے خوشخوار انداز میں

ڈاکٹر آصف کو گھور رہی تھی۔ گدن ایسے ہونٹ اس نے بڑی بے لوثی سے
بھیج رکھے تھے۔

ایک بیک اس نے اپنے یا قوتی ہونٹوں کو مینش ری۔

ایک بار پھر شعلہ سا لپکا اور کمرے کی نقا میں ترنم ریز لہریں رقص

کراٹھیں۔

جانتے ہو ہم کون ہیں؟

جاننا ہوں کہ آپ ایک عورت ہیں۔ ایک ایسا پھول ہیں جس کی آخری پناہ گاہ مرر کی وہ آغوش ہے جہاں اُس نے پتی پتی ہو کر بکھر جانا ہوتا ہے۔ بس یہی اس کی ابتداء ہے اور یہی انتہا کیونکہ قدرت نے اُس پھول کے اندر جس قدر بھی رعنائی پیدا کی ہے۔ صرف مرر کی ذات کے لئے۔ اُسے پیدا کرنے کا مصروف ہی کیا تھا۔ جو نہی ڈاکٹر آصف کے عہدے کی تشریح ختم ہوئی۔ آسیہ کا چہرہ غصے کی شدت سے اس قدر تپ گیا جیسے کس لوہار کی بھٹی میں سرخ ہوتا ہوا کئی لویا۔

کیا بکواس کر رہے ہو ؟
آپ کو ایک حقیقت سے آگاہ کیا ہے حترمہ۔ بیک بیک آصف کے لہجے میں تلخی پیدا ہو گئی۔

ہم تمہیں اس بدتمیزی کی مزا ضرور دیں گے۔
اور ہم تمہیں مردات سے محبت کرنا ضرور سکھائیں گے۔
اے۔۔۔ یو۔۔۔ ٹاٹ اپ۔۔۔

لنگویچ پلیز۔ ڈاکٹر آصف کا انداز اُسے مزید تاؤ دلانے

والا تھا۔

یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے آسیہ کے یوں تمللانے اور چپینے

سے وہ مٹھلے ہو رہا ہو۔

یا پھر جیسے وہ اس سچے کا انتقام لے رہا ہو۔ خود آسیہ نے پریڈی اسٹریٹ کے کراسنگ پر اُسے ایک اتفاقیہ حلوئے پر مارا تھا۔

اچانک آسیہ غرا کر شگفتہ کی طرف مڑی اور بولی۔

بیڈ چھوڑ دو۔ اب تم یہاں نہیں رہو گی۔

شگفتہ جو خود بری طرح ڈاکٹر آصف کے رویے پر اندر اخلاق

سے گڑے ہوئے حملوں پر بے حد بھلائی ہوئی تھی ہونٹ جباتے ہوئے وہ بولی۔

میں خود اس جہنم میں ایک لمحہ بھی ٹھہرنا گوارا نہیں کرتی۔ اور پھر اس قسم کے ڈاکٹر کے پاس۔

آپ اپنے ڈاکٹر کی توہین کر رہی ہیں حترمہ۔ ڈاکٹر آصف مسکرا کر بولا۔
شگفتہ نے نفرت سے ہونٹ سکڑ لئے۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں کمرے سے یوں نکل گئیں جیسے جہنم زار میں بھولے سے قدم اڑا ہو۔

ڈاکٹر آصف کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ رقص

کناں تھی۔ سناٹے وہ اپنی بے بسی پر یوں مسکرایا تھا یا ان لمحات کو اپنی جیت سمجھ کر۔۔۔

کچھ دیر بعد وہ ذہن میں ایک غلش لئے اپنے آفس میں آ بیٹھا۔

ڈاکٹر خندہ اب بھی وہیں پر موجود تھی۔

اس نے اصف کے چہرے پر ایک بھر پور نگاہ ڈالی۔ چل ایک ایسی
 سے جیسے انہیں سر سے پاؤں تک اپنی ایک ہی نگاہ میں پڑھ لینا چاہتی ہو۔
 پلینز میں تنہا چھوڑ دیجئے۔ ڈاکٹر اصف اپنی سیٹ پر گے کر
 اسٹاکٹر خندہ اس کی طرف مترنم نظروں سے دیکھتے ہوئے یوں باہر
 نکل گئی جیسے اسے اُن کی حالت پر بے حد دکھ ہوا ہو۔

راحہ مستی منزل میں صرف تین ملازم تھے
 ایک مالی عین۔

وہ میرا سودا سلف لانے والا رحیمو

اور تیسری ہستی گلبدن کی تھی جو بوڑھے رحیمو کی بیٹی تھی۔
 جس نے راحت منزل میں ہی پرورش پائی تھی۔ اس وقت وہ پندرہ
 سولہ سال کے لگ بھگ تھی۔ اگر دتی تھی تو صرف مانی سے جو اس کی چھل
 کو دوا دار مادہ ہر نیوں کی طرح چو کر ڈیاں بھرنے پر بری طرح جھاڑ پھٹکار
 دیا کرتی تھی۔

اور اس وقت بھی گلبدن لان میں کیا ریلوں کے گرد دوڑتی پھر رہی
 تھی۔ اور یہ سب کچھ ایک تنہا کے لئے ہو رہا تھا۔ گلبدن جھپٹ جھپٹ
 کر اسے پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ انداز بڑا بچکھڑا تھا۔ کبھی وہ گتھول

کے بل فرشتہ بیٹھتی اور کتلی کو اڑتے دیکھ کر اچھل کر اس کی طرف لپکتی۔

مانی براہ راست کے ایک ستون سے ٹیک لگائے کھڑی اس کی طرف بڑی

خشمگین نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اسے اچھلے کودتے دیکھ کر کبھی اس کے چہرے

پر کوئی رنگ ابھرتا اور کبھی کوئی۔۔۔ اس بار جو گلبدن اچھل کر تلی کے

پیچھے پکی تو پا پیچھے سے پاؤں الجھ جلنے کی وجہ سے گپڑی۔

اس کے یوں گرجانے سے ایک قدم مانی غیر ارادی طور پر اس کے

بڑھ ہی آئی پھر جھجھکا کر دس سے چلتی۔

ارے او کمبخت.... گلبدن کی پکی.... اگر ٹوٹ پھوٹ گئی تو

علاج کون کرے گا.... تمہارا پایا....!

گلبدن جو اٹھ کر پھر تلی کی طرف بھاگنے والی تھی۔ وہیں ساکت

وجہ آمد ہو گئی۔

یہ ایک خوش شکل اور کھلندہ میٹھی لڑکی تھی۔ بچپن اور جوانی کے

مل رہے تھے۔ پھر طبیعت میں جولانی کیوں نہ ہوتی۔

خدا تجھے غارت کرے۔ ذرا ادھر تو آ لڑکی۔۔۔ مانی اسے

یوں ساکت وجہ آمد کھڑے دیکھ کر تیز آواز میں بولی۔

حکم کی سجا آمدی مشینی انداز میں ہوتی تھی۔ اور سجاے اس

کے کہ لڑکی بد نشی کا راستہ اختیار کرتی کیا ریلوں کو پھلانگتی ہوئی

یہ مدے تک آئی۔

ارے تو لڑکی ہے یا کسی گھوڑی کی دولتی۔۔۔ کمبخت

تجھے چلنے کا بھی سلیقہ نہیں۔

گلبدن قریب پہنچ کر عاجزانہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔

تو بابا ریمو کی لڑکی ہے نا۔

یہ آپ ہر وقت مجھ سے کیوں پوچھتی رہتی ہیں بی بی جی۔

تاکہ تو اپنی چادر میں رہ سکے۔

غریب ہونا کوئی گالی تو نہیں۔ گلبدن برا ملان جانے والے انداز

میں بولی۔

ارے کیا بک رہی ہو ہم نے تمہیں گالی کب دی؟

پھر اور کیا مطلب ہے آپکا۔

او گلبدن کی سچی عقل بھی ہے تمہارا رے پاس باہنیں۔ کمبخت

ہمارا مطلب ہے اس طرح جو تم ہر وقت جھلانگیں مارتی پھرتی ہو۔ اور

کسی دن تم کہیں سے ٹوٹ پھوٹ گئیں تو باودچی خانہ میں آلو بولنے شروع

ہو جائیں گے۔ اور پھر ہم کسی ہوسل کار راستہ تلاش کرتے پھریں گے۔

وہ تلی تھی بی بی جی۔۔۔ گلبدن نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی

تو پھر۔۔۔ ہم جانتے ہیں کہ تلی ہی تھی۔ کوئی ہاتھی کا پڑ نہیں

مقا۔ مگر سب باتیں سمجھیں زیب نہیں دیتیں۔ ہم اکثر سوچتے رہتے ہیں کہ سمجھیں گلبدن کی سبائے باجی کہہ کر لپکا لپکا کریں۔ مگر تم بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ پیچھے کی طرف لوٹ رہی ہو۔ ارے بھئی۔ تیلیاں پکڑنا بچوں کا کام ہے نہ کہ تم جیسی پندرہ سولہ سال کی نوجوان لڑکی کو۔“

مگر بابا تو کہتا ہے کہ تو جوان نہیں ہوئی ہے۔
 مہتا را بابا خود بوڑھا ہو گیا ہے اس لئے تو اسے بچہ نظر آتی ہے۔
 اچھا آپ کہتی ہیں تو یقین کر لیتی ہوں۔ نہایت معصومیت سے یوں بولی گویا مانی اس کی بڑبڑ رہی ہو۔
 کیا زبردستی یقین کر لو گی۔ ارے بھئی ہم سمجھیں اپنے ملائک سے قائل کرتے ہیں۔

میں ہو گئی ہوں۔ گلبدن جان چھڑانے پر تل گئی۔
 کیا ہو گئی ہو۔

قائل مائل۔ بی بی جی۔
 مانی بی بی کہا کرو۔ کتنی بار سمجھیں کہا ہے۔ لیکن تمہاری عقل شاید گھاس کھا گئی ہے

اچھا جی۔
 کما اچھا جی۔ مانی نے آنکھیں نکالیں۔

اب جان بخش دیجئے۔ اچانک گلبدن دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹکتی کیا۔۔۔ مانی اُسے مسلسل گھور رہے جا رہی تھی۔
 آپ بہت اچھی ہیں۔ مم۔۔۔ مانی بی بی جی۔ گلبدن نے سکرانے کی کوشش کی۔

دل سے کہہ رہی ہو۔
 قسم لے لیجئے۔
 چلو کھاؤ قسم۔

جمن کی قسم۔ گلبدن جمن کی قسم کھاتے ہوئے کچھ سمٹ سی گئی۔
 یہ۔۔۔ جمن کیوں؟ تیرا دماغ تو درست ہے۔
 جی! وہ سوا سلف لاتے وقت پیسے مار لیتا ہے۔ ایکم بے ایمان ہے۔ کل کہہ رہا تھا کہ ہمیں بھیکے لاکر دو لگا۔ پوری کے پیسوں کے تو تم دونوں برابر کے شریک ہو۔
 پوری تو صرف وہی کرتا ہے مانی بی بی۔
 اور تم سب سے لیتی ہو۔

جی۔۔۔۔۔!

دفعہ ہر جاؤ کہ سخت۔۔۔ چوٹی کہیں کی۔ مانی نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی۔ دراصل وہ بڑے باپ کی بیٹی ہونے کی وجہ

سے کچھ اپنے کو لئے دئے رہتی تھی گو کہ بچی تھی۔ لیکن یہ احساس بہ
دقت رہتا تھا کہ وہ اس گھر کی مالک ہے مگر بچائے کیوں وہ ذہن سے
طوری بہت تیزی سے بالغ ہوتی جا رہی تھی۔
بڑی معصوم بچی تھی اور کتنی بھی بڑی ذہین ہر بات دوسروں کے چہروں
پر پڑھنے کی کوشش کرتی تھی۔

اور آجکل وہ اپنے ننھے سے ذہن کے ساتھ الجھی رہتی تھی کہ اس کے
ابو خاموش خاموش کیوں رہتے ہیں۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں
چھوٹا سا ذہن ابھی تک اس گتھی کو نہیں سلجھا سکا تھا۔
ادھر گلبدن نے بوجھال بچتے دیکھی تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ
گھڑی ہوئی۔

مانی نے برا سامنہ بنایا اور بڑبڑا اٹھی۔

تو ایک دن ضرور ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ بھر پیرے بابا کو باورچی خانہ
سنبھالنا پڑے گا۔

پھر یکاخت وہ کسی خیال پر چونک پڑی بڑا عجیب و غریب خیال تھا
اس کی پیشانی پر ہلکی سی سنوٹ اس لئے ابھرائی تھی کہ وہ ذہن پرندہ
دے رہی تھی۔

ٹھیک ہے وہ وہ بڑبڑا کر تیزی سے برآمد سے کی بیڑھیال اتر گئی

اب وہ اپنے خیال سے مطمئن تھی۔

اور وہ خیال تھا گلبدن کی شادی۔

بات قابل غور تھی۔ اسے اچانک خیال آیا تھا کہ گلبدن جبکہ
ان کی ملازمہ ہے تو اس کی شادی کی کیا ترزدہ داری بھی تو ان پر ہی عائد ہوتی
ہے۔ اب کو اتنی فرصت کہاں کہ اس کے بارے میں سوچ سکیں لہذا
گھر میں ایک میں ہی ہوں کہ اس قسم کی باتوں کی طرف توجہ دے سکوں۔
گلبدن تو اب جوان ہو گئی ہے۔ اس کی شادی کا فکر تو ہمیں ہی کہنی ہے
یہ خیال کیا تھا۔ ایک برقی لکھ تھی جو اس کے ذہن میں بیچی تھی۔
وہ بڑی تیزی سے مردنٹ کو اٹھ کر طرف بڑھ رہی تھی۔
بابا رہیو! اسے پانی کھوارہ لئے لال کی طرف آتے ہوئے دکھائی
دیا۔

اس نے مانی کو یوں اپنی طرف آتے دیکھ کر حیرت سے اس
کی طرف دیکھا۔

مانی اس کے قریب پہنچ کر رکی اور کھٹکھٹاتی ہوئی آواز میں بولی۔

تم کو کوئی فکر بھی ہے بابا۔

کائے کی فکر بیٹیا۔ بڑھار جیو حیرت سے بولا۔

گلبدن کی۔

ہمارے کمرے میں آؤ۔ مانی ایک سجر لہنگا ماس پر ڈالتے ہوئے
آگے بڑھ گئی۔

جی بہت بہتر.....!۔۔۔۔۔
جمن اُس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے مانی کے کمرے تک پہنچ گیا۔
مانی بڑے مدبرانہ انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ بائیں ٹانگ کو
دائیں گھٹنے پر رکھا اور سپر ٹیبلے بار عیب انداز میں بولی۔

تمہاری عمر کیا ہے؟
جی ————— "جمن بھاڑ سا منہ کھول کر رہ گیا۔
مانی کی طرف سے کیا جانے والا سوال غیر متوقع ہی نہیں بلکہ
الو کھا بھی تھا۔

تمہاری عمر کیا ہے؟ مانی اُسے گھور کر دوبارہ بولی۔
پنچ ————— چھبیس سال کا ہو گیا۔ جمن جلدی سے بولا۔
"شادی کر گئے؟" مانی جھٹکے دار آواز میں یوں بولی۔ جیسے جمن
کی شادی اُس کے لئے ایک اہم فریضہ رہا ہو۔
"نہیں جی۔۔۔۔۔" اس بار جمن ہوتن ہونے کی حد تک
گرا بڑا گیا۔

شادی نہیں سمجھتے۔ آنکھیں لکال کر بولی۔

کیا پھر اُس نے کوئی شرارت کی؟
وہ تو ہر وقت کرتی ہی رہتی ہے۔ لیکن اس وقت ہم یہ
کہنے آئے ہیں کہ تم اس کی شاہی کیوں نہیں کر دیتے۔
بوڑھا رحمو ایک بچتی کے سہ سے اتنی بڑی بات سن کر کسی
حد تک جھینپ سا گیا پھر کچھ توقف کی بعد بڑبڑانے ایسا انداز میں بولا۔
ابھی وہ بچتی ہے اور پھر اس قسم کی بانیں مالک سوچتے ہیں۔
اسی لیے تو ہم کہہ رہے ہیں کہ فکر ہم ہی کو کرنی پڑے گی۔ اچھا
بابا تم فکر نہ کرو۔ ہم بہت جلد اس کی شادی کر دیں گے۔
بہت اچھلتی کودتی ہے۔ جوان ہو گئی ہے لیکن تتلیاں اب بھی
پکڑتی ہے۔ مانی بڑبڑاتی ہوئی متفکر انداز میں آگے بڑھ گئی۔

اور بوڑھا رحمو ہونق سا ہو کر رہ گیا۔
مانی برآمدے میں پہنچ کر پھر رگ گئی۔ کچھ لمحوں تک کسی بہت
ہی اہم بات کو سوچتی رہی پھر کچھ توقف کے بعد اس نے یوں
سر ہلایا جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گئی ہو۔
اے جمن — اس نے قریب سے گزرتے ہوئے

ملازم کو آواز دی —

جی! مانی بی بی جی —

سس.... سمجھتا ہوں۔ مم.... مگر۔۔۔۔۔

کہو کچھ رکو نہیں۔ ہم بہت پریشان ہیں۔ مانی متفکر انداز میں بولی۔

جمن بوکھلا کر رہ گیا۔ آنکھوں میں حیرت اور تعجب کے آثار تھے۔ مانی پھر بولی۔

ہم تمہاری شادی گلبدن سے کرنا چاہتے ہیں اگر تمہیں منظور ہو تو بتا دو۔۔۔۔۔ دس پھر ہم اسکا بندوبست کہیں اور کریں۔

جمن کا پہرہ حقیر ہو کر رہ گیا۔ گلبدن کو تو وہ پسند کرتا بھی تھا لیکن مانی کے سنکے ہوئے ذہن نے اسے بوکھلا دیا تھا۔ بولو جواب دو۔۔۔۔۔ مانی تیز آواز میں بولی۔

گک۔۔۔۔۔ کر لو گک۔

زبردستی نہیں۔ دل مان رہا ہے تو اقرار کرو۔ ہم تمہیں مجبور نہیں کر رہے۔ مانی نے اس بار اسے گھور کر دیکھا تھا۔

تت.... تیار ہوں۔

ہوں۔۔۔۔۔ مانی نے بڑے مدبرانہ انداز میں ہنسکا رہا تھا

اور کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

آج سے آٹھ دن بعد پہرہ تار بچ آ رہی ہے اس دن تمہاری

شادی گلبدن سے کر دی جائے گی۔

جج.... جی! بہت بہتر۔ جمن اپنی تقدیر بدلنے ہوئے دیکھ کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر رہ گیا۔ اس کے ذہن میں بے شمار دھماکوں کی بازگشت تھی۔

آسے اپنے کالوں پر ہفتین نہیں آ رہا تھا۔

سات آٹھ سال کی بچی جسے گھر کی مالکن ہونے کا شرف حاصل تھا۔ انہونی باتیں کر رہی تھی۔ جمن کو اس بات پر شک نہیں تھا کہ اس سے مذاق کیا گیا ہے۔ یا پھر.... ایک سچی کی بات ویوانے کی بڑھتی۔

وہ جانتا تھا کہ اگر مانی اسکی شادی کرنے پر تیار ہو گئی ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کے ارادے کی دیوار نہیں بن سکتی۔ بس اب تم جاؤ۔۔۔۔۔ مانی ہاتھ اٹھا کر بولی۔

اور جمن آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مانی کو دیکھتے ہوئے باہر نکل گیا۔

اندھے ساختہ پن تھا۔

ہم اس کی شادی طے کر چکے ہیں امید ہے کہ آپ برا نہیں
مانیں گے۔

ڈاکٹر آصف کے ذہن کو ایک شدید قسم کے جھٹکے سے دوچار
ہونا پڑا اس نے بڑی الجھی الجھی نظروں سے مانی کی طرف دیکھا۔
کیوں بالو۔ آپ نے برا تو نہیں مانا۔

مگر کس سے بات طے کی ہے تم نے؟
”جمن سے۔۔۔ نہایت بھولے پن اور معصومیت سے

جواب دیا گیا۔

ڈاکٹر آصف نے ایک طویل سانس لی اور محبت سے بھر
پور نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ پھر کچھ توقف بعد مسکرا
کر بولے۔

ہمارے بیٹی کبھی کوئی غلط کام تو نہیں کرتی۔ مگر ایک بات
سمجھ میں نہیں آتی کہ ہمارے بیٹی کو آخر دونوں کی شادی کے بارے
میں اس قدر فکر مند ہونے کی کیا ضرورت تھی۔

فکر مند۔۔۔ مانی ہلکے سے فرشتوں جیسی مسکراہٹ
کے ساتھ مسکرائی اور بولی۔

یا پے بیٹی کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔

ڈاکٹر آصف آج پہلی بار بیٹی کو نہایت سنگین قسم کی
سنجیدگی سے کھانا کھاتے دیکھ رہے تھے جب ان سے نہ رہا گیا
اور مانی کی خاموشی انہیں کھلے لہجے تو سو بیٹ ڈش اپنی طرف
سراٹے ہوئے بولے۔

آج بہاری بیٹی اس قدر خاموش کیوں ہے؟
مانی نے نظریں اٹھا کر باپ کی طرف دیکھا ابد ہمتگی

سے بولی۔

گلبدن جوان ہو گئی ہے اور بچہ اس کی ذمہ داری تو ہم پر ہی عاید

ہوتی ہے نا۔

کک۔۔۔ کیا مطلب؟ ڈاکٹر آصف کے لہجے میں حیرت

نکو مند تو ہم آپ کی طرف سے بھی ہیں۔

گک.... کیا مطلب؟ ڈاکٹر آصف بچائے کیوں گڑبڑا گئے۔
ہم اپنے لیے یہ بھی ایک خوبصورت سی امی تلاش کر رہے ہیں ابو
گک.... کیا؟ ڈاکٹر آصف ضرورت سے زیادہ ہی زور
ہو گئے تھے۔ وہ آنکھیں جھپکاتے بغیر مانی کی طرف دیکھ جارتے تھے۔
پھر انہوں نے خشک ہوتے ہوئے ہونٹ کے درمیان تھوک لگلا۔
اور مانی اسی لمحے پھر بولی۔

ہم نے اسی تو تلاش کو لی ہیں اب ان سے کوئی بات چیت
ہمیں کی عنقریب ہم ان سے بات کریں گے۔
ما..... مانی۔ ڈاکٹر آصف گڑبڑا کر پڑے۔
جی ابو؟ مانی مسکرائی۔

یہ سب باتیں تم نے کہاں سے سیکھ لیں
موسیٰ کی دیہاتی اور بے رونق سے؟
مانی.... ڈاکٹر آصف تڑپ کر رہ گئے۔

سچ کہتی ہوں ابو! یہاں اتنے بڑے بڑھکے میں بہارا دم ہر وقت
گھٹتا رہتا ہے ہلکا سا شور بھی تو نہیں اس گھر میں
عم۔ مانی۔ ڈاکٹر آصف کا جیسے ملتی خشک ہو گیا ہو

گک۔ کیا آپ ناراض ہو گئے ابو؟ مانی معصومیت سے بولی۔

نن۔ نہیں تو۔۔۔

تو پھر ہم کجا جارتے ہیں۔۔۔

کس بات کی۔۔۔؟

اپنے لیے ایک خوبصورت سی امی تلاش کرنے کی۔
ڈاکٹر آصف زبردستی مسکراتے کی کوکوشش کرتے لگے اور پوچھے
پہلے گلبدن اور جمن کی شادی سے تو فارغ ہو جائتے۔۔۔

پھر ہمارے بارے میں سوچ لینا۔

مانی کھل کھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔

آپ انہیں دیکھیں گے تو خوش ہو جائیں گے۔

گک۔ کسے؟

ہماری ہونے والی امی کو۔۔۔

کھانا کھاؤ۔۔۔ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

نہیں کھائیں گے مانی روٹھ گئی۔

مانی.... ڈاکٹر آصف کو اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

ہمیں اپنی خوشی پوری کرنے دیجئے۔

اچھا بابا کھانا کھاؤ۔۔۔ بوجھل میں آئے کرو ڈاکٹر آصف

آینا ابھی بگم کی تقریر کے سامنے اکھڑے ہوئے۔ ان کی نظر دلیلیا

بے رونقی ہے یہاں — اور وہ پاگل لڑکی اس دیرانی کو دور کرنے

میں نے رہن اور گلاب کی شادی کر دی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ اس کا یہاں
اس ماحول میں دم گھٹتا ہے۔ بتاؤ بیگم ہم کیا کریں۔ وہ جیسی فندی
بچی ہے۔ آپ تو جانتی ہیں کہ ہم نے آج تک اسے تیز لگاہ اور اونچی
آمازیں بھی مخاطب نہیں کیا۔

اتنا کہتے ہوئے ڈاکٹر آصف کی نگاہوں میں آنسو شبنم کے قطرے
بن کر ٹپک اٹھے۔ جواہروں نے بڑی بے دردی سے آنکھوں سے جھٹک
دیئے۔ اور پھر دل سوز کراہ کے ساتھ اپنے آپ کو کرسی پر گرادیا۔

وَالسَّيِّئَةُ لَإِنَّهُ لَوَلَّى بَارِئًا مِّنْهُ لَمَّا كَانَتْ
جَنَابُ دَوْلَتِ سَہْ لَہَا غَائِبٌ تَحْتِیْ۔ مَآئِیْ لَہَا تَرَکَا مَت
بھڑے انداز میں احتجاج کیا۔

وہ دواں اس وقت اسکول یونیفارم میں ملبوس اسکول کے
گیٹ کے پاس بائیں بازو کھڑی تھیں۔

دولت ہم عمر تھیں اور دولت کی بے پناہ محبت اور دوستی پورے
اسکول میں رشک کی نظروں سے دیکھی جاتی تھی۔ واسیہ سے پیار کرتے ہوئے
جذبات سے بھرپور آواز میں بولی۔

باہی کے ساتھ دو دن تک دعوتیں اڑاتی رہی
اور ہمیں خبر تک نہیں کی۔ بڑی کٹھور ہو۔
اچھا معاف کر دو۔

کر دیں گے ابھی نہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم باجی کی تصویر لائیں
کیسے بہنیں لاسکتی تھیں۔

لاؤ۔ مجھے دے دو۔۔۔۔۔

چوری کر کے لائی ہوں۔ باجی کی البم سے نکال لائی ہوں۔
بڑی پیاری دوست ہو۔ مانی بھول کی طرح کھل اٹھی۔
اس کے ہاتھ میں آسیہ کی تصویر پکڑی ہوئی تھی۔ اور بڑے غور سے
وہ اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

میری باجی کو نظرت لگا دینا۔ آسیہ شرارت آمیز نظروں سے
اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

مانی نے چونک کر آسیہ کی طرف دیکھا اور بولی۔
خدا کی قسم اگر تمہاری باجی کو اپنی اسی بہنیں بنایا تو مانی نام نہیں۔
کیا بہت زیادہ پسند ہیں۔

جان سے بھی زیادہ۔

تو پھر بات کرو۔

ابھی اسی وقت چلو۔ مانی مضبوطا دوسے سے لولی۔

اوسے بہنیں بھٹی، اسکول ٹائم کے بعد

بہنیں ابھی۔۔۔۔۔

و اسیہ کسی سوز میں پڑ گئی! اسکی آنکھوں میں الجھن کے آثار رہا
عیاں تھے۔

چلو نا۔۔۔۔۔ مانی ٹھنکی۔

اگر میری باجی نے تمہاری امی بننے سے انکار کر دیا تو بچہ
بہنیں انکار کر سکیں گی وہ مجھ سے بہت پیار کرتی
وہ دوسری بات ہے۔

تیسری بات بھی ہو جائے تو پرواہ نہیں۔ مانی ٹھو۔ غیر معمولی
لج میں بولی۔

”چلو۔۔۔۔۔ آسیہ کچھ دیر بعد راضی ہو گئی۔

مگر جائیں گے کیسے بگاڑیاں تو اسکول ٹائم کے، مہرے آسکیں گی
ٹیکسی سے چلیں گے۔ میرے پاس پیسے ہیں۔ مانی اس کا
بانو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے بولی۔

پھر دونوں کچھ دیر بعد ایک ٹیکسی میں سوار اپنی منزل کی طرف
اڑی جا رہی تھیں۔

دو بچیاں ایک عجیب و غریب کہانی کو جنم دینے والی تھیں۔

راستہ خاموشی سے ہی کٹا تھا۔

کچھ دیر بعد دونوں ٹیکسی سے اتر کر ایک خوبصورت سے بنگلے میں داخل

مانی لے واسیہ کے کمرے سے نکلتے ہی آسیہ کی طرف دیکھا

اور بولی۔

آپ بھی بہت اچھی لگتی ہیں۔

ہم بھی تو تمہیں واسیہ کی طرح پیار کرتے ہیں۔ مگر تم کیوں
کٹری ہو؟ آؤنا۔ ادھر ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔

آسیہ رشک آمیز نظروں سے اُسکی طرف دیکھتے ہوئے
پیار سے بولی۔

مانی کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ اس کا دل بڑی تیزی
سے دھڑکنے لگا۔ لگا ہیں ایک بار جھک گئیں تھیں۔ اور پھر حیب
اس نے اپنی نظروں کے سامنے سے سرسئی جھالروں کے غلاف کو اٹھا
کر آسیہ کی طرف دیکھا۔ تو اس کی آنکھوں میں ایک خاموش التجا
منحنی تھی۔

شاید تم کچھ کہنا چاہتی ہو۔ آسیہ گومگو کی حالت میں اُسکی
طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

آپ... آپ بھی بہت اچھی لگتی ہیں مانی دل کی بات سے
ڈرتے ڈرتے آہستہ سے بولی۔

”پھر بس“ آسیہ مسکرائی۔

ہو رہی تھیں۔

باجی ابھی اپنے کمرے میں ہی ہونگی۔ واسیہ مانی کو لئے ہوئے

بولی۔

مانی کے چہرے پر بجائے کیوں سنجیدگی کی گہری تہیں جم گئیں تھیں

دونوں ایک کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

یہ آسیہ کا کمرہ تھا خود پند آسیہ کا کمرہ۔ اس آسیہ کا جس نے

ڈاکٹر صفت کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔

اس وقت آسیہ خود قد آدم الماری سے پہننے کے لئے لباس

منتخب کر رہی تھی۔ دونوں کو دیکھ کر چونکی اور بولی۔

ارے تم اسکول سے واپس کیوں آ گئیں۔

مانی بھی آئی ہے۔ واسیہ نے بہن کو مانی کی جدگی کا احساس دلایا

کیوں مانی کیسی ہو؟ آسیہ پیار سے بولی۔

تم جاؤ واسیہ ہم تمہاری باجی سے لکھنے میں بات کرینگے

مانی آسیہ کو جواب دینے کے بجائے واسیہ سے بولی۔

واسیہ دونوں کی طرف باری باری دیکھ کر کمرے سے نکل گئی۔

آسیہ نے مانی کے چہرے پر چھائی ہوئی سنجیدگی کو دیکھ کر حیرت

سے پلکوں کو جھپکایا۔

ہم چلتے ہیں کہ آپ ہماری نظروں سے ایک بل بھی اوجھل نہ ہوں
 اتنی محبت ہے آسیدہ اُس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولی۔
 ہاں! اتنی محبت کہ اگر آپ ہماری جان مانگ لیں تو ابھی دیدیں۔
 واقعی!

آزمایہ لیجئے۔ مانی ٹھوس لہجے میں بولی۔
 آزمانے کی ضرورت نہیں ہم یقین کر چکے ہیں مگر تم کوئی بات
 چھپا رہی ہو۔ پھر کہہ کیوں نہیں کہتیں۔
 کہہ دیں۔ مانی آہستہ سے بولی۔

ہاں — ہاں کہہ دو
 آپ بلا تو نہیں مانتیں گی۔
 نہیں.....!
 دعا کرتی ہیں آپ۔

قسم لے لو۔!
 مانی نے محبت سے سہرے نظروں سے آسیدہ کی طرف
 دیکھ کر بولی۔ آپ ہمارے قریب آجائیے۔ اس قدر قریب
 ہم دل سہر کر آپ کو دیکھتے رہیں۔
 آسیدہ نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

مانی پھر بولی۔

سانسوں کے بھی قریب آجائیے۔ ورنہ ہم پیار کو ترستے
 ترستے مرجائیں گے۔

مانی تمہاری ایک بات بھی ہمارے پلے نہیں پڑے گی
 آ۔ آپ میری امی بن جائیے، مانی جھٹکے دار آواز میں بولی۔
 بولی جیسے اُس نے ایک مجھے کراہا کر سنے کے لئے پوری طاقت صرف
 کر دی ہو۔

کیا؟ آسیدہ کا ذہن جیسے بجلی کے نٹکے تاروں سے چھو گیا
 ہو۔ ایک لمحے کے اندر اس کے چہرے کے سینکڑوں رنگ بدل گئے۔
 پھر لکڑت وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ انداز الیسا ہی تھا جیسے کہ
 بچے کی طفلانہ حرکت پر دل کی گہرائیوں سے ہنس دی ہو۔

بات ہی ایسی تھی۔ ایک سچی کتنی بڑی بات کہہ رہی تھی
 لیکن مانی کے چہرے پر ابھی تک سنجیدگی طاری تھی۔ نظروں
 میں آسیدہ کے لئے محبت اور عقیدت کوٹ کوٹ کر سمیٹ رہی
 تھی۔

آسیدہ اُس کی صورت دیکھ کر سنسنے لگی۔ وہ دونوں ہاتھوں کو
 گالوں پر رکھے سنسنے جا رہی تھی جب کچھ دیر بعد وہ سنسنے سنسنے بے دم

سی ہو گئی تو سچولی ہوئی اس کے درمیان بولی۔

تو تم ہیں اپنی امی بنانا چاہتی ہو۔

آپ بن جائیے نا!

آخر یہ کیوں؟ آسہ مسکلاتی ہوئی لگا ہوں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

آپ ہمیں سناں دینا سے زیادہ اچھی لگتی ہیں۔

بھئی پھر تو واقعی پتہ چنا پڑے گا۔

جلدی سوچ لیجئے۔

اب اتنی جلدی بھی کیا ہے۔

ہمارا دیاں اکیلے میں دم گھٹتا ہے۔

کہاں؟

گھر۔۔۔ جہاں ہر سو ویرانی ہی ویرانی ہے۔

کیا تمہاری اتنی نہیں ہیں؟

نہیں۔۔۔

اور تمہارے ابو کیا کرتے ہیں؟

جو کچھ بھی کرتے ہیں اچھا کرتے ہیں۔

کس مطلب؟

بہر وقت نیک کام ہی کرتے ہیں۔ آپ بے فکر رہیے۔ مانی معفوت

سے بولی۔

آسہ پوچھ کر ایک بار سہنی کا دورہ پڑ گیا۔

کیا آپ ہماری محبت کا مذاق اڑا رہی ہیں امی۔۔۔ مانی

سہایت سنجیدگی سے بولی۔ شاید وہ آسہ کے یوں بار بار سہنے پر

مشکوک ہو گئی تھی۔

امی۔۔۔ آسہ کا قہقہہ بڑا زوردار تھا۔ جس سے گھرے کا مائل

پوری طرح گرج رہا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد آسہ نے آگے بڑھ کر مانی کو سینے سے لگا لیا

اور پیار سے اس کے غولبورت بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے

بولی۔

اچھا مانی بے بی۔۔۔ ہم آج سوچیں گے۔ اب اچھے بچوں کی

طرح اسکول جاؤ۔ شاہاش۔۔۔ جاؤ۔۔۔ بہت اچھی ہونہار

بچی ہو۔

ہم کل آئیں گے۔ مانی نے آہستہ سے کہا۔

ارے بھئی روز آؤ۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔

آپ کل تک سوتے لیں گی نا۔۔۔

ہاں۔ ہاں بھئی۔ اس وقت تو جاؤ آسیہ اُس کے رخساروں پر چیت گاتے ہوئے بولی۔

منہ میٹھا کر ایسے؟ مانی ٹٹنک کر بولی۔
آسیہ شاید اس کی بات ہی نہیں سمجھ سکی تھی کہ اچانک مانی نے آسیہ کے رخساروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں کہا اب ذرہ جھکنے نا.....“

آسیہ غیر ارادی طور پر جھبک کر مانی کے برابر ہو گئی۔
اب مانی نے دوسرے ہی لمحے آسیہ کے رخسار پر ایک طویل بوہ دیا۔ پھر جیسے ہی وہ علیحدہ ہوئی۔ مانی دواوندے کی طرف بھاگتے ہوئے بولی۔

ہمارا پیارا یاد رکھیے گا۔
آسیہ پتھر کی مورتی بنیوں کھڑی تھی جیسے کسی نے اُسکے جیمے خون کا ایک ایک قطرہ ٹپکھڑ لیا ہو...“
مانی جا چکی تھی۔
مگر.....“

مانی کے الفاظ اب بھی اُسکے کانوں میں گونج رہے تھے۔
”ہمارا پیارا یاد رکھیے گا۔“

اب بھی اپنے رخسار پر ایک محبت بھرا گرم گرم لمس محسوس کر رہی تھی۔

اُس کا ذہن دھماکوں کی نذر ہو گیا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد جب کچھ سن سکی تو اُس نے اپنے ذہن کے پردے پر بے شمار دھماکوں کی بازگشت محسوس کی۔
وہ ذہنی جھٹکوں کے درمیان رخسار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑبڑاتی۔

پاگل لڑکی.....؟

مگر.....“

وہ پاگل لڑکی تو واسیہ کو ایسے جگلے سے بہت دور جا چکی تھی۔

ایک بار اُس نے جھنجھلا کر کوٹ بدلی اور ہر قسم کے خیالات
کذہن سے کھرچ کر پرے پھینک دینا چاہا لیکن اُسی لمحے اُسے
یوں محسوس ہوا جیسے دائیں رخسار پر کسی نے اپنے ہونٹ رکھ
دیئے ہوں۔ غیر ارادی طور پر اُس کا ہاتھ رخسار پر آکر رک
گیا۔ گرم گرم بوسے کی حدت سے اس کا رخسار بھی گرم ہو رہا تھا
کیا دلہانہ اندازِ محبت تھا۔

آپ ہمارے امی بن جائیے۔ ایک دھماکہ خیز آواز نے
اُس کے کانوں میں جیسے بارود بھردی ہو۔
آپ بہت اچھی ہیں، دوسرا دھماکہ۔
آپ ہمارے سالنوں کے بھی قریب آجائیے۔ ایک اور
چنگھاڑ پھوٹی۔

اُس نے بڑے کرہناک انداز میں کوٹ بدلی۔
ہمارے جگے میں دیرانی ہی دیرانی ہے۔ جہاں ہر
وقت ہمارا دم گھٹتا رہتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں
ہم مرجائیں۔

آف۔ کیا مصیبت ہے اُس پر مہلوی کی برسات
ہونے دیکھ کر جھنجھلا گئی۔ اور اُس نے تکیہ کے اوپر اپنا سر

واقعہ کو غیر بنیدہ تھا۔

اور اُسے کوئی بھی ہوشمند انسان مہولی سے اہمیت بھی نہیں دے سکتا
تھا۔ زیادہ سے زیادہ بچے کی اس ففلا نہ حرکت پر ہنسنے لگا۔
بچانے والوں اُس پر نہایت سنجیدگی سے ماتی کے بارے میں سوچ
رہی تھی۔ حالانکہ اس میں بھی اُس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔
بس وہ غیر ارادی اور لاشعوری طور پر مانی کے بارے
میں سوچ رہی تھی اُسکی ایک ایک بات اُس کے ذہن میں دھماکے
کد رہی تھی۔

اس وقت اُس پر اپنی خواب گاہ میں بستر پر لیٹی کافی دیر
سے سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن نیند تھی کہ اُس کی آنکھوں سے
کوسوں دور تھی۔

کہ وہ تیزی سے اس کی طرف لپکی تھی۔ اسلئے بڑی روش
بہی جا لیا۔

ارے تم یہاں — — واسیہ حیرت اور خوشی
کے ملے جلے تاثرات کے دوران بولی۔

ہم نے آج آنے کا وعدہ ہو کیا تھا۔

کس سے ؟

جناب کی باجی سے۔

لیکن وہ تو ابھی تک سو رہی ہیں۔

ہم بگا لیتے ہیں۔

ناشتہ کرائیں۔

تمہارے ساتھ کرونگی۔

سیح — — واسیہ خوش ہو کر بولی۔

اچھا میں ملازمہ کو کہتی ہوں کہ وہ ناشتہ لگا دے۔ تم فارغ
ہو کر جلدی سے آ جاؤ۔

ابھی آئی۔ مانی اتنا کہتے ہی تیزی سے آسیہ کے کمرے کی
طرف بڑھ گئی۔

آسیہ ابھی ابھی بیدار ہوئی تھی لیکن ابھی تک اُس نے

نور سے دے ملدا۔ لیکن نیند کہاں ؟

ایک بجی معصومیت سے اس اپنے بھولپن سے اُسے
پوری طرح جھنجھوڑ چکی تھی۔

وہ نہایت احمقانہ انداز میں اُسے بے عین کر گئی تھی۔

مقام رات اُس نے جاگتے اور سوتے گزار دی۔

مانی سر اپا التجا بنی ہر لمحے اُس کے سامنے کھڑی رہی۔

جب وہ بے خبر سوئی تو اس وقت صبح کی اذان کے ساتھ

اللہ اکبر کی صدا بلند ہو رہی تھی۔

مگر وہ بے خبر سو رہی تھی۔

سورج کی سہری کر نیں روشن دان سے داخل ہو کر

اسکی پیشانی کو چوم رہی تھیں اور اپنا جال سائیں کر بستر پر

بکھر رہی تھیں۔

ملازمہ دوبارہ کمرے میں جھانک کر جا چکی تھی۔ اُسے خود

حیرت تھی کہ آسیہ باجی غیر متوقع طور پر اتنی دیر تک سو رہی ہیں۔

ایک بار واسیہ بھی ہو کر جا چکی تھی۔ صبح کے سات بج رہے

تھے کہ اچانک مانی یونیفارم میں ملیوئس بیگمے میں داخل ہوئی۔

واسیہ نے اُسے دوسرے ہی دیکھ لیا تھا۔ یہی وجہ تھی

بہتر نہیں چھوڑا تھا۔ وہ نرم نرم تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دلاتی
چپولے سجاری ہو رہے تھے۔ نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے آنکھیں
خمار آلود تھیں۔

صبح بخیر — مانی اندر تل ہوتے ہوئے دھماکہ
خیز آواز میں آسیہ سے مخاطب ہوئی۔

اوپر آسیہ یوں صبح صبح اُسے اپنے سامنے پا کر بے ساختہ
چونک پڑی۔

مانی تم — اُس کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکل گیا
آپ نے آج فیصلہ کر کے بتانا سنا؟
اور — بیکرا تخی صبح؟

سات بج چکے ہیں۔ مانی معصومیت سے بولی۔
آسیہ اُسے بڑی عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
نجانے اُس کے ذہن میں کیا بات آئی کہ جلدی سے بولی
فیصلہ تو ہم نے کل ہی کر لیا تھا۔

کل ہی کر لیا؟ مانی پر شوق انداز میں قدرے آگے جھک گئی
ہم تمہیں اپنی بیٹی بنائیں گے۔
سس — سچ؟ مانی یک ہی دم وہاں سے اچھلی اور

آسیہ کے اوپر آ پڑی۔ دلوں بازو اس نے آسیہ کی گردن میں جمائل
کر دیئے تھے۔

تم واقعی بہت اچھی بچی ہو۔

ہم پیار کے سھوکے ہیں۔

کیا تمہارے ابو تمہیں پیار نہیں کرتے۔

بہت کرتے ہیں مگر ماں کا پیار تو عورت ہی دے سکتی ہے،

مانی آسیہ سے علیحدہ ہوتے ہوئے گلاب کی طرح کھل کر بولی۔

آسیہ کے ذہن کو ایک اور جھٹکا لگا۔ لیکن اس نے فوری طور پر

پنے آپ کو سنبھال لیا۔ اور ساتھ ہی بہت ہی کم وقت میں ایک اہم

فیصلہ کر لیا۔ دراصل وہ اُس معصوم بچی کا دل بہنیں توڑنا چاہتی تھی۔

لہذا اُس نے اُسے بہلانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور پھر وہ ہونٹوں پر

مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی۔

کیا تم نے اپنے ابو کو راضی کر لیا۔

کیوں نہیں — مانی اٹھلا کر بولی۔

کیا واقعی — آسیہ حیرت سے بولی۔

وہ ہمارے ابو ہیں — ہمارا کب نہیں ٹالتے۔

کیا وہ جانتے ہیں کہ ہم کون ہیں؟

نہیں ہم نے ابھی تک بتایا ہی نہیں البتہ یہ ضرور جانتے
ہیں کہ ہم اپنے لئے پیار می سی امی لانے والے ہیں۔
آسیہ نے بڑی تیزی سے ابروؤں کو حرکت دی سچرمانی
کو دلا دیں انداز میں مسکراتے دیکھ کر یک بیک سمجھو ہو گئی۔
اور بولی۔

تمہاری آنکھیں اس قدر سرخ کیوں ہوتی ہیں۔
ہم رات بھر جاگتے رہے۔

کیوں ؟

نیند نہیں آئی۔

نیند کیوں نہیں آئی۔

وہ ————— مانی کچھ جھینپ سی گئی سچر شرمائے شرمائے

انداز میں بولی۔

ہم رات بھر سوچتے رہے کہ جب آپ ہمارے گھر آجائیں گی
اور رات کو جب آپ کے پہلو میں لیٹیں گے تو آپ کس طرح ہمیں پیار
کریں گی۔

آسیہ کا پورا وجود جھنجھٹا کر رہ گیا۔

اُس نے اپنے لہڑے ہوئے وجود کو بڑی تیزی سے

سنبھالا تھا سادہ زبردستی ایک قہقہہ لگا کر بولی۔
کمال ہے

آپ کو ہمارے محبت کا اس وقت پتہ چلے گا جب آپ
پیشہ کے لئے ہمارے گھر آئیں گی۔ مانی ہونٹوں کے گلاب کھلتے
ہوئے بولی۔

دیکھ لیں گے، آسیہ بھی مسکرائی۔

اچھا تو دلہ مقرر کر لیجئے۔ لیکن خیال رہے کہ پندرہ تاریخ
کو ہم اپنے گھر کے ملازم سے گھر کی ملازمہ گلبدن سے شادی کر رہے
ہیں۔

ادہ ————— واقعی۔

آپ شرمست کھینچے گا۔

اگر دقت ملا تو ضرور آئیں گے۔

اچھا اب ہم جاتیں۔ واسیہ انتظار کر رہی ہو گی ناشتہ بھی
لگ رہا ہے۔

بہت بہتر جناب۔۔۔ تشریف لے جاتیے۔

خدا حافظ ————— مانی نے بڑے دلریا انداز میں ہاتھ

لگائی تک لے جا کر آسیہ کو سلام کیا۔

جب وہ باہر نکل گئی تو اسی نے کچھ دیر بعد ایک زرد
 قبچہ لگایا۔ اور ہنستے ہوئے سپر مہری پر بیٹ گئی۔
 عجیب تماشا ہے خوب تفریح ہانتھو لگی ہے۔ لڑکی ضرور
 سے زیادہ بے وقوف ہے۔ جو اپنے آپ کو بہت زیادہ قلمرو
 سمجھتی ہے۔ خیر دیکھیں یہ تفریح کیا رنگ لاتی ہے۔
 اسی نے بڑبڑا کر ایک طویل انگڑائی لی۔ ادباً نکلیں
 کر کے اپنے آپ کو ڈھیل چھوڑ دیا۔

نیت کا غار اب بھی اس کی کٹورہ ایسی آنکھوں سے جھلک

رہا تھا۔

آج گلبدن کی شادی تھی۔

مائی نے ضد کر کے باپ کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ
 ملنے والوں کو مدعو کر لیں۔ لہذا ڈاکٹر آصف مائی کی خوشی کی
 لڑائی کر کے بہت مجبور ہو گئے۔

اور اس وقت پندرہ بیس بھائی جن میں کچھ عورتیں بھی شامل
 رہت منزل کے لان میں کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے۔
 مائی نے اپنے اسکول سے اپنی ہم عمر کئی لڑکیوں کو مدعو
 یا تھا۔ جن کی تعداد کم از کم بارہ تک جا پہنچی تھی جن میں
 میر پیش پیش تھی۔

شادی ایک ملازم اور ایک ملازمہ گلبدن کی تھی۔ مگر
 ان دونوں پر ہاتھ جیسے مائی اپنی سالگرہ منا رہی ہو۔

مہمالوں کے آنے سے قبل مانی نے جہن کو بہت ڈانٹا
تھا۔ دراصل اس نے گلبدن کو بھی بہتیں بخشا تھا۔ اس کے انکار
کچھ اس قسم کے تھے۔

ارے کمبختوں — کیا کھرج پرتے کر رہے ہو کہ
ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے ہیں۔ اس پنگلے کو میرے بادامیان سنو اور
اگر — شادی نہ ہوتی مصیبت ہو گئی — کیا

چھپاے سپر رہے ہو۔ چلو ادھر لان میں کر میوں کو دوبارہ
پھر کیا تھا جہن اور گلبدن کو پورا بنگلہ خود سنو رنا پڑ گیا
میں سے جس کے بھی ہاتھ ذرا سست پڑتے مانی چلا اٹھتی۔

ارے گلبدن — شادی کا وقت چار بجے کا
کیوں ابھی سے مری جلد ہی ہے۔ تیرے دونوں ہاتھ توڑ دوں
گلبدن بچا رہی پھر حرکت میں آجانی۔

خدا خدا کہنے بنگلے کو بتایا اور سنو رنا گیا تھا۔ اور اب چہ

بچ رہے تھے۔

جہن نے بہترین سوٹ پہن رکھا تھا۔ اور یہ سوٹ

نے اُسے بڑا کر دیا تھا۔

دس جوڑے جہن کے اور گیارہ جوڑے گلبدن کے

اس نے تیار کر دئے تھے۔ اور ضروریات کا تمام سامان مانی
نے خرید لیا تھا۔

اس وقت گلبدن کو مانی کی سہیلیاں تیار کر رہی تھیں
اُسے دلہن بنایا جا رہا تھا۔

مہمالوں کے لئے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا
ایک اچھے ہوٹل سے پانچ ویٹر بلا لئے گئے تھے جو بڑے
ہل میں کھانے کے برتن چن رہے تھے۔

مانی گڑیا بنی اور ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھی کہ اچانک وہ دائرہ
سے اٹھ کرائی۔ اور چھوٹے ہی بولی۔

باجی اسیہ کیوں نہیں آئیں۔

شاید وہ نہ آئیں —

کیوں —

وہ تو کل سے پکنک پر گئی ہوئی ہیں۔

کیا انہیں یاد نہیں تھا کہ انہوں نے ہمارے یہاں آنا ہے۔

”یاد تھا۔“

”پھر کیوں نہیں آئیں۔“

”اب میں کیا جانوں؟“

ہوگا کہیں؟ — ”دماغ غلاب ہو گیا ہے اس کا ابھی
سے شادی ہو گئی تو بچا نے کیا ہو گا۔ مانی بڑبڑا کر رہ گئی۔

پھر اس نے گلبدن کو سہارا دیکر کرسی پر بٹھا دیا۔ اور
بولی — ”چلو سب کو ہاتھ اٹھا کر سلام کرو۔

گلبدن اپنی جگہ سمٹ گئی۔

اور — ڈبل روٹی کی پچی سلام کر لے سے نوٹ ملیں
گے۔ مانی اُس کے کان میں سرگوشیاں نہ انداز میں بڑبڑائی۔

لیکن گلبدن اپنی جگہ اور سمٹ گئی۔

جہنم میں جہاد — مانی ٹھٹھک کر بولی پھر چاروں
طرف دیکھتے ہوئے واسیہ سے بولی۔

جمن کہاں چلا گیا؟

دولہا غائب ہو گیا۔ ایک ایسی شوخ طرار بولی جس پر
کافی اونچی آواز میں کہا گیا تھا۔ جسے تمام مہمانوں نے بھی سن لیا
پھر کیا تھا پورا لان قہقہوں سے گونج اٹھا۔

مانی نے بڑبڑا کر سب کی طرف دیکھا اور جلد ہی سے بولی

ہنسی — — دولہا یہیں کہیں ہو گا۔ غائب ہیں ہوا۔ مانی
کے گرد پڑنے سے لان قہقہوں سے گونج گیا۔

ہونہہ سمجھ لوں گی؟ مانی گردن کو خم دے کر بولی پھر چاکل
چمکے سامنے برآمدے کی طرف دیکھنے لگی۔ جہاں اسکی سہیلیاں

گلبدن کو لئے چلی آرہی تھیں

تو یہ ہے؟ کبھی کس قدر خوبصورت لگ رہی ہے۔

مانی واسیہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

شرما بھی رہی ہے واسیہ نے ٹکڑا لگایا۔

شادی میں بڑکیا، یونہی شرمایا کرتی ہیں مانی نے بڑبڑا کر

انداز میں گردن ہلا کر کہا۔

پھر وہ تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

آؤ واسیہ ہم بھی ذرا اُسے قریب سے دیکھیں۔

واسیہ مانی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

ادھر لان میں بوخالی کرسیاں نظر آ رہی ہیں۔ انہیں لے

چلو۔ مانی نے اسکول کی سہیلیوں کو آؤ دیا۔

پھر وہ سب جھیل کرتے لباسوں کے ساتھ لان میں داخل

ہو گئیں۔ جہاں مہمان بیٹھے ان ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”ارے دولہا کہاں ہے؟ واسیہ نے دبی زبان میں

مانی سے کہا۔

ڈاکٹر آصف مسکرا کر اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور بوسے۔
 لیجئے وہ دولہا صاحب آگئے۔ انہوں نے برآمدے کی طرف
 اشارہ کیا تھا۔
 مانی نے اُسے گھور کر دیکھا اور جن غریب جو سرمہ لگانا
 بھول گیا تھا اسباب دھاریاں کھینچ کر چلا آ رہا تھا۔ بری طرح
 جھینپ گیا۔

چلو ادھر آؤ۔ مانی غرا کر بولی۔
 جن جلدی سے اپنا سوٹ سنبھالتا ہوا جو نہی اُس کے
 قریب آیا۔ مانی بولی۔
 کہاں رہ گیا تھا؟
 جی وہ سرمہ۔

کیا۔؟
 ابھی لگا کر آ رہے ہیں دولہامیاں۔ ایک لڑکی نے ہانک
 لگائی۔ مہمان ایک بار سچر کھٹکھٹا کر ہنس پڑے۔ مہمان عورتیں
 بھی دل کھول کر ہنس رہی تھیں۔

بڑی عجیب و غریب شادی تھی۔ جس میں اسکول بچیاں مہمانوں
 سے زیادہ شرکت کر رہی تھیں۔ ان کی معصوم معصوم باتیں اور

شادی کے انتظامات دوسروں کو قہقہے لگانے پر مجبور کر رہے
 تھے۔

مانی سب میں پیش پیش تھی۔ دیکھا جائے تو میزبان
 کی حیثیت وہی رکھتی تھی۔
 مہمانوں کو بے تحاشہ ہنستے دیکھ کر وہ بھی کھسیانی، ہنسی
 ہنسنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

کچھ دیر بعد نکاح کی رسم ادا کی گئی۔
 بابا رحیمو بیٹی کو گلے لگا کر بے تحاشہ رورہا تھا۔ جس سے مہمان
 عورتوں کی آنکھیں بھی پریم ہو گئیں تھیں لیکن یہ بات کسی کے پلے بھی
 نہیں پڑی تھی کہ بوڑھا رحیمو آخر لہہ کیا رہا ہے۔

یہ رسم بڑی دل سوز تھی۔ جو بوڑھے رحیمو نے انجام دی تھی۔
 کچھ دیر بعد سب مہمان اٹھ کر بڑے ہال میں چلے گئے۔ جہاں
 کھانے کے انتظامات کئے گئے تھے۔
 کھانے کی تمام ڈشیں لذیذ تھیں مہمانوں نے جن کی بہت
 تعریف کی۔

مانی مرزا یا اخلاق بنی ادھر ادھر سمجھا گئی نظر آرہی تھی۔
 اچانک وہ ایک عجیب ہی ڈاکٹر آصف کے قریب سے گزری تو

بہنو! نے اسے روک لیا۔ اور مسکرا کر بولے۔

اس چہل پہل میں تو تمہارا دم نہیں گھٹتا۔

مانی نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ مسکرا کر آگے بڑھ گئی تھی

پھر تقریباً سات بجے اس شادی کا ہنگامہ ختم ہوا جب سب مہمان

اور اسکول کی لڑکیاں سمیت آسیدہ کے چلی گئیں تو ڈاکٹر آصف مانی سے

مہلت کر بولے۔

چلو تمہاری بیٹی ایک اہم فرض سے تو فارغ ہوئی۔

ابھی ایک فرض اور باقی ہے۔

وہ کیا۔۔۔

اپنی اتنی کو لانا۔۔۔

بھئی یہ کوئی ضروری باتیں۔ ڈاکٹر آصف گڑبڑا کر بولے۔

آپ کے لئے ضروری باتیں ہوگا۔ لیکن ہمارے لئے یہ بہت

اہم مسئلہ ہے۔

ڈاکٹر آصف مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

اچانک ملانی کسی خیال کے تحت چونک پڑی۔ پھر اکیس سے

اٹھتے ہوئے بولی "ہم ابھی آئے" اتنا کہتے ہوئے وہ تیزی سے

باہر نکل گئی۔

ڈاکٹر آصف کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم لہر گیا۔

مانی کی واپسی بہت جلد ہوئی تھی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ

اپنی پشت پر چھپا رکھا تھا۔

ابو بتائیے ہمارے ہاتھ میں کیا ہے؟ وہ بچوں کی

طرح ٹھٹھک کر بولی اور اسکی معصوم آنکھوں میں شروع مسکراہٹ

تھی۔

بھئی ہم جوتشی نہیں۔ ڈاکٹر آصف مسکرائے۔

اچھا آنکھیں بند کیجئے۔

کیوں۔۔۔

بس۔۔۔ ہم جو کہہ رہے ہیں۔ بند کیجئے نا۔۔۔

لو بابا۔۔۔ عاجز آگئے ہیں تم سے۔ ڈاکٹر آصف مسکراتے

ہوئے اور بولے۔ پھر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

مانی نے پشت پر رکھے ہوئے ہاتھ کو باپ کی نظروں

کے سامنے کر دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پورٹ ہارڈ سائز کی تقویر

تھی۔ اور وہ تقویر سوائے آسیدہ کے اور کس کی ہو سکتی تھی جو

اس نے داسیدہ سے اسکول کے پھانک پر لی تھی

وہ چھپک کر بولی۔

دیکھیے ابو مگر دھیرے دھیرے آنکھیں کھولے گا۔

ڈاکٹر آصف اُسکی کسی قسم کی شرارت سے محفوظ ہونے سے قبل ہی مسکرا دیئے تھے۔ انہوں نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور پھر جیسے ہی اُن کی نظریں آبیہ کی تصویر سے متعارف ہوئیں وہ یوں اچھلے جیسے کرسی نے بچھون کر کاٹ لیا ہو۔

وہ آنکھیں پھاڑے تصویر کو کھورے جا رہے تھے۔

یہ ہماری پیاری سی امی ہیں۔ کیوں ابو کیسی ہیں یہم نے انہیں راضی بھی کر لیا ہے۔ بس آپ بتا دیجئے کہ لساؤں مقرر کیا جائے؟

مانی اپنی رو میں بولے چلی جا رہی تھی۔

اور ڈاکٹر آصف پسینے میں نہاتے جا رہے تھے۔ ذہن میں یوں دھماکے ہو رہے تھے جیسے کسی محاذ پر چاروں طرف سے دشمنوں

میں گھر گئے ہوں۔ پھر شاید انہیں اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ ان کے سامنے بیٹی بھی موجود ہے۔ پھر بڑی تیزی سے انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔ اور مسکراتے کی ایک ناکام کوشش کر ڈالی تھی۔

کیوں — — — ابو اچھی ہیں نا — — — دیکھتے نا — — — ایک بیٹی نے کس قدر خوبصورت لڑکی کی ہے۔

واقعی — — — بہت خوبصورت ہے۔ ڈاکٹر آصف گھٹی گھٹی آواز میں بولے۔

پسینہ نا — — —

ہوں — — — ہوں — — — ٹھیک ہے — — — جیسے انکی اولاد مطلق میں اٹک گئی ہو۔

ہمیں معلوم تھا کہ آپ ضرور پسند کریں گے۔ مانی جھینپ کر بولی۔

ڈاکٹر آصف نے لڑتی ہوئی نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا جس نے تصویر میز پر رکھ دی تھی۔ اور خود باپ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

کیا تم نے بتا دیا کہ ہم کل ہیں؟

نہیں — — —

کیوں — — —؟

انہوں نے پوچھا تھا اور ہم نے بتایا تھا کہ سہا سے ابو بڑے نیک ہیں۔ جو کچھ بھی کرتے ہیں اچھا کرتے ہیں۔

کیا بات ہوئی۔ ڈاکٹر آصف اُسکے اسی معصومانہ جواب پر حیرت

سے بولے۔

پھر انہوں نے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔

ڈاکٹر آصف نے نظریں چرا کر پھر ایک بار اسی کی تصویر کو دیکھا

بولے۔

آخر یہ ہے کون —؟

یہ — ہمارے سہیلی واسیہ کی باجی ہیں۔

ادہ — ڈاکٹر آصف ایک طویل سالن لے کر رہ گئے

اور مانی خوشی سے تقریباً اچھلے ہوئے بولی۔

کیوں ابویہ ہمارا ایک شاندار نامہ نہیں ہے۔

ڈاکٹر آصف جواب دینے کی بجائے بے بسی سے مسکرا دیے

مگر انہوں نے وقتی طور پر ہنٹ سی لئے۔ وہ سخت الجھن

میں گرفتار ہو گئے تھے۔ ایک معصوم بچی بن جانے کو بنا ڈرامہ کھیل رہی تھی۔

ہلانا کہ وہ جانتے تھے کہ اس یہ جو کہ یہ نہیں جانتی کہ مانی ہمارا

بیٹی ہے۔ اس کا دل رکھنے کیلئے ہاں میں ہاں ملا دی ہوگی۔ ورنہ

پیشادی کیسے ہو سکتی ہے۔ سبلا ایک بچی کی باتوں کو کون سنجیدگی

سے سوجھے گا۔

مگر — ڈاکٹر آصف ہر گھڑا سرور گئے تھے جس بڑک کو وہ

یکسر بھولنے کی کوشش کرتے رہے تھے مانی کی وجہ سے پھر سامنے

آگئی تھی۔ ادہ سوچ رہے تھے اگر اتفاقاً کبھی مانی اُسے یہاں

لے آئی اور دونوں کا آمنہ سامنا ہو گیا تو کیا ہوگا۔

خصوصی بات ہے ورنہ ایک دوسرے کے دشمن تھے
وہ ملاقات کسی خوشگوار انداز سے تو ہونے لگتی رہی۔

پھر کیا ہوگا؟

ایک معصوم بچی کے دل پر کیا گزرسے گی۔

کیا قیامت نہ اُجائے گی۔

آف — ڈاکٹر آصف ان خیالات میں گھرے ہوئے تھے

ہاتھوں سے سرستھام کر رہ گئے تھے۔

مانی جا چکی تھی۔ اور ڈاکٹر آصف اپنے بچاؤ کیلئے مگوئی راستہ

تلاش کر رہے تھے۔ تاکہ اسی سے مانی کے سامنے آمنہ سامنا نہ

ہو۔ رات بھینگنی شروع ہو گئی تھی۔

گوہر شب نے کائنات کو اپنے حصار میں لے لیا تھا

اور ظلمتِ شب نے آہستہ آہستہ رینگنا شروع کر دیا تھا۔ مگر

ڈاکٹر آصف آج تمام رات نہ سو سکے تھے انہوں نے تمام رات لیٹر

پر کرپٹیں بدلنے گزار دی تھی۔

کر کیا ہوا۔ یہ دونوں آخر ہاتھ ہرا کر کیوں چنچ رہے ہیں؟
واقعہ کچھ بھی رہا ہو۔ مانی کو تو ان کے جھگڑنے پر حیرت ہو۔

رہی تھی۔

کچھ دیر تک تو مانی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دونوں کی طرف
دیکھتی رہی اور جب اس کے سبر کا پیمانہ لبریت ہو گیا تو وہیں
سے چلائی۔

کیا تم دونوں کو باؤلے کتے نے کاٹ لیا ہے جو اس قدر
ادھم بچا رہے ہو۔ حالانکہ بنگلے میں کوئی کتا نہیں ہے۔
یہ خود بھی کسی کتے سے کم نہیں۔ جب بھی کاٹتا ہے بغیر بھونکے
کاٹتا ہے۔ گلبدن مانی کی بات سن کر وہیں سے چنچ کر بولی۔
ہائیں۔ ہائیں۔۔۔ مانی کی آنکھیں حلقوں سے
ابل پڑیں۔

ارے کیا بک رہی ہو؟
جمن جس کا چہرہ عفتے سے سرخ ہو رہا تھا۔ پاؤں پھٹتا
ہوا جو ہنسی والی سی کے لئے مڑا۔ مانی بولی۔
اے دولہا صاحب جناب کہاں چلے۔ تم دونوں
ادھر آؤ۔ مگر دونوں دیں کھڑے ایک دوسرے کو خوشخوار انداز میں

دلت گزرتے جا رہے تھے

مانی ہر وقت مصروف رہتی تھی۔
مگر ڈاکٹر آصف کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ مانی
آئے دن آسپہ کے بارے میں رپوسٹ دیتی رہتی تھی۔ کہ آج یہ ہوا
یوں ہوا اور یہ کیا وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر آصف بڑے تحمل کا ثبوت دے رہے تھے۔ وہ اس کی
ہر بات کو توجہ سے سنتے اور پریشان ہوتے نہ تھے۔
ادھر مانی ہر وقت جمن اور گلبدن سے الجھتی رہتی تھی۔
اس وقت بھی وہ برآمدے میں کھڑی حیرت سے دیکھ رہی
تھی۔ کیونکہ جمن اور گلبدن کافی ادنیٰ آواز میں آپس میں جھگڑ رہے
تھے۔ بات مانی کے پلے ابھی تک نہیں پڑی تھی کہ آخر ان دونوں

گھورتے رہے۔

اے ادھر آؤ۔۔۔۔۔ مانی تیز کچے میں پاؤں چٹخ کر بولی
گلابن تیزی سے مڑی اور مانی کی لہرت چل دی۔ راستے میں
رک کر ایک بار پھر عین کو تیکھے تیروں سے دیکھا اور پھر حجب
جہن نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو وہ آئین جھٹکے سے چلتی ہوئی مانی
کے قریب آگھر سی ہوئی۔

کیوں لڑا ہے تھے تم رنگ ؟
اسی سے پوچھیے۔ گلابن برا سامنے بنا کر عین کی طرف اشارہ
کر کے بولی۔

سہنس تم ہی بتاؤ۔ بالکل اس وقت جب تکلی بلی معلوم ہو رہی
ہو۔ مانی آتے گھور کر بولی۔

اچھا بتائیے کہ میں نے کب آپ سے کہا تھا کہ میری شادی
اس تیس مارچ سے کرو دیجئے۔ گلابن ہوا میں ہاتھ نہچاتے ہوئے
بولی۔

ہائیں۔ ہائیں کیا ہم سے لڑو گی ؟ مانی نے آنکھیں نکالیں

جی میرا مطلب ہے کہ۔۔۔۔۔
بس خاموش۔ مانی غرا کر بولی پھر عین سے کہا۔

ہاں تم کہو کیا بات ہے۔؟
یہ کیا بتائے گا میں بتاتی ہوں۔ گلابن پھر بول پڑی۔
مانی نے اُسے گھور کر دیکھا اور بولی۔

چلو مرغابز۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔ گلابن کی جی بہت طویل تھی۔

مرغابز۔۔۔۔۔ مانی ایک ایک نظر پر زور دے کر بولی۔
یعنی کہ۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ گلابن بری طرح ہڑبڑا گئی

چلو جلدی کرو۔ مانی نے تیز لہجے میں کہا۔

آپ پہلے مجھے یہاں سے ہٹا دیجئے۔ جہن جلدی سے بولا۔
کیوں ؟

اپنی بیوی کو مرغابز بتے دیکھ کر مجھے شرم آئے گی۔

مانی نے حیرت سے اسی طرف دیکھا بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی

لہذا تیرسی سے پلکیں جھپکا کر بولی

مگر یہ سہنس مرغابز بتے دیکھ سکتی ہے کیوں گلابن ٹھیک ہے نا۔

سہنس میں اس وقت آنکھیں بند کر لوں گی۔ گلابن برا سا

منہ بنا کر بولی۔

مانی نے دونوں کو باری باری گھور کر دیکھا پھر ذرا تیز ہو کر بولی۔

چمکیہ باتیں ایکسپریس کو زرب نہیں دیتیں۔ دیکھو اس میں ہماری عزت کا سوال ہے۔ ہم جتنے تم دونوں کی شادی کی ہے نہ تو تم تمنا شاہنواز نہ ہمیں تمنا شاہ بنادو۔ میں نے ہم تم دونوں کو الگ الگ کروا دیا۔ میں بند کر کے آسٹن تک پہنچا دیا۔

اب ہم نہیں لڑیں گے۔ دونوں نے جلدی سے یکے کے ہونے کہا۔ مانی نے دونوں کو باری باری گھورا اور تن کر بولی۔
جہانے ہو پر سوں ہمارے سالگرہ ہے۔ اگر تم لوگ پوہنی لڑتے جھگڑتے رہے تو ہر چکا کام۔۔۔

جمن نے دونوں ہاتھ عاجز مہر سے جوڑ دیے اور بولا۔
مجموعہ کہتے ہیں کہ اب ہمیں لڑیں گے۔
دفعہ ہو جاؤ۔۔۔ مانی نے بہت برا سامنا بنایا اور
پھر تیزی سے چلتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
گلبدن نے مسکرا کر جمن کی طرف دیکھا

جمن نے اسے گھور کر دیکھا اور بولا۔ بے عزت کر دیا نا۔۔۔
اب ہم نہیں لڑیں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔۔۔ گلبدن
کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

جمن کے ہونٹوں پر بھی کھسپاتی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور سر

اچھا بتاؤ تم کس بات پر جھگڑ رہے تھے۔
مگر وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔
ارے بتاؤ نا۔۔۔ مانی چلائی۔

آپ کو بتانے والی بات نہیں بی بی۔ جمن عاجزانہ انداز میں بولا
کیا مطلب؟ مانی کی پیشانی پر سولہویں پر گئیں۔
وہ دراصل میاں بیوی کی بات ہے۔ جمن نے پھر حیرت
کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

کب بکتے ہو؟
جمن نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ مانی چنگھاڑ اٹھی
ارے تم لوگوں کو میاں بیوی کس نے بنایا ہے؟
جج۔۔۔ جی۔۔۔ آپ نے۔

پھر یہ پردہ داری کیسی اب ہم بغیر ہو گئے جب کہ سب کو
کیا دھڑا ہمارا ہے۔

دونوں نے پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ بڑی بے چارگی کی
کی حالت میں ہونٹ کاٹ کر رہ گئے۔ مانی کا ذہن سلگ اٹھا
تم دونوں یوں لڑ رہے تھے کہ جیسے ایک دوسرے کی
جان کے دشمن ہو۔ اور یہ کمبخت گلبدن تمہیں کتنا تک کہہ رہی تھی

اور گلابان اپنی بیکہ کھڑی اٹے سیدھے منہ بنا رہی تھی۔

وہی نصیب ہو وہ مانی سے کرتی ہے کیا نفرت میں نہیں بدل جائے گی۔

یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ انہیں دیکھتے ہی واپس چلی جائے۔
مگر اس سے مانی بہت برا اثر قبول کرے گی۔

اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔

اور اس ننھے سے دل پر جو کچھ گزریگی ڈاکٹر آصف اچھی طرح
جانتے تھے کیونکہ وہ بڑی حساس طبیعتی معمولی بات کو
بھی نوٹ کرتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر آصف پوری جان سے لرز رہے تھے۔
بیٹی کی خوشی میں وہ کسی قسم کا ہنگامہ لپ نہ سہیں کرتے تھے۔
سالگرہ کے کارڈ تقسیم ہو چکے تھے۔ مانی اپنے ہاتھوں سے
آسیہ کو اپنی سالگرہ کا کارڈ دے کر آئی تھی۔ اور اس سے وعدہ تک
کے بیا تھا کہ اب میں ہر حالت میں شرکت کرنی ہے۔ پھر مانی نے خود انہیں
بتایا تھا کہ آسیہ باجی آرہی ہیں۔
اور یہی وہ عہد تھا جس سے ڈاکٹر آصف متحضر ہوا رہ گئے

تھے۔

ان کے پورے پورے سپینہ پھوٹ نکلا تھا۔ اور انہیں
یوں محسوس ہوا جیسے ان کے دل پر کسی نے گھوٹ مار دیا ہو۔
بس ایک ہی عہد ان کے کالوں میں گونج چھوڑے ہوئے تھا کہ

آسیہ باجی آرہی ہیں۔ آسیہ باجی آرہی ہیں۔
اور ڈاکٹر آصف دونوں ہاتھوں سے سر تھامے اپنے کمرے
میں کرسی پر بیٹھے تھے۔

آنڈھیاں سی چل رہی تھیں اور پورے وجود میں سنسنی
وڑ رہی تھی۔ اچانک مانی کمرے میں داخل ہوئی۔

ابو۔۔۔ پھر ایک دم چونک کر بولی۔

ارے آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔

میر میں درد ہے ڈاکٹر آصف نے بہانا بنایا۔

اسپرین کھائی وہ معصومانہ انداز میں بولی۔ کس قدر اپنائیت

تھی۔ اور محبت تھی اس کے لہجے میں۔۔۔

ایک چھوڑ دو کھا چکا ہوں۔

اللہ۔۔۔ تو آرام سہیں آیا۔

سہیں۔۔۔

لایے سرداب دول۔ مانی باپ کی طرٹ پیار بھری نظروں

سے دیکھتے ہوئے بولی۔

ارے سہیں بیٹی۔۔۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ جاؤ تم

انتظامات سنبھالو۔

دیکھئے۔ آپ کی بیٹی ہیں کس موڑ پر لے آئی ہے ہم نے
زندگی میں کبھی بھی اپنے آپ کے اتنا بے بس اور اس قدر بے دست و
وپا نہیں پایا۔

آج آپ کی بیٹی کی گیارھویں سالگرہ ہے۔ ہمیں ہم سے
بچھڑے آٹھ سال ہو چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہمارے قدم
نہیں لڑکھڑائے۔ مگر آج ہم یوں محسوس کر رہے ہیں جیسے ہماری بیٹی
ہمارے ضبط و بصر کی آخری منزل کو بھی چھو لے گی۔

لیکن یقین کیجئے بیگم۔ ہم اس امتحان کیلئے قطعی تیار نہیں۔
ہم تو سوچ سوچ کر ہی ہلکا ہوتے جا رہے ہیں جس لڑکی کو وہ اس
گھر میں لانا چاہتی ہے۔ اُسے تو ہمارے سائے سے بھی نفرت ہے
اور ہم خود اس کے وجود سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن
ہے کہ یہاں کوئی طوفان نہ آئے۔

مگر ہم نہیں چاہتے کہ ہماری بیٹی کے دل کو ٹھیس لگے۔
وہ بڑی حساس بچی ہے بیگم۔ بالکل ہتھاری طرح۔
اگر ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی تو آپ ہمیں معاف نہیں کریں گی
ہماری توجہ ان عذاب میں آپھنسنی ہے۔ بیگم خدارا ہمیں بتائیے کہ ہم
کیا کریں۔ ہمیں تو کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا ہر طرف اندھیرا

سب کچھ مکمل ہے اور مہالوں کے آنے کا وقت قریب آتا جا
رہا ہے۔

گھبراؤ نہیں ہم رہیں گے۔
شکر ہے ابو۔۔۔ مانی مسکائی اور تیزی سے کمرے
سے نکل گئی۔

ڈاکٹر آصف لڑکھڑاکر اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ وہ برآمدے
میں نکل آئے تھے اور اب ان کا رخ بیگم کے کمرے کی طرف تھا۔
کچھ لمحوں بعد وہ لڑکھڑاتے ہوئے اُن کے کمرے میں پہنچ کر رک
گئے۔

سامنے دیوار پر بیگم کی تصویر آویزاں تھی۔
ایک خوبصورت اور دلکش عورت کی۔
ڈاکٹر آصف تھرتھراتی ہوئی نظروں سے تصویر کی طرف
دیکھ جاتا رہے تھے۔ ان کی اس خاموشی میں کس قدر احتجاج
اور شکایتیں پنہاں تھیں۔ چند لمحوں تک وہ تصویر کو یوں ہی کھڑے
رکھتے رہے پھر ان کے ہونٹوں پر رنزش پیدا ہوئی۔

باب۔۔۔ بیگم۔
آپ نے دیکھا ہم کس قدر مجبور و بے بس ہو گئے ہیں۔

ہی اندھیل ہے۔

مہارے منہ موڑ لینے پر تو سہارا کوئی غمگسار بھی نہیں رہا۔
یہ بلند و بالا دیواریں — مہاروی یادوں کے نقشِ بنی ہوئی ہیں
جن سے ہم زندگی کے اس طویل سفر کو گزارنے پر مجبور ہیں۔
تن ... تنہائیوں نے ہمیں بار بار ڈسا۔ گھر کی دیرانی نے
ہم سے سرگوشیاں کیں۔
زندگی کے پھیکے پن نے ہمیں کسی حسین راستے کا انتخاب کرنے

پر اکسایا۔

مگر — ہم — نے صرف مہاروی محبت —
وہ تین سال کی رفاقت، — وہ لمحات جو تیرے پہلو میں ہم
نے گزار دیئے۔ انہیں اپنا سرب کچھ سمجھتے ہوئے اپنا سرمایہ حیات
جانتے ہوئے قناعت کر گئے۔ ورنہ گلشن میں بہارے لئے بہت
کچھ تھا۔ لیکن ہم ثابت قدم رہے۔ مہاروی محبت اور اپنی وفا کو داغدار
نہیں کیا۔

صرف مہاروی یادوں کے پھولوں کو ہی اپنے دامن میں بھر لیا۔
لیکن آج جب کہ ہم نے اپنے آپ کو ہر طرف سے بے بس پایا
تو آپ تک چلے آئے۔

راستہ دکھائیے بیگم — درہ — ہم بھٹکتے جائیں گے
مہاروی بیٹی نے ہمیں عجیب موڑ پر لاکھڑا کیا۔
وہ آج کس قدر خوش ہے۔ کس قدر ممکن اور مسرور
کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے کسی لغزش سے اُس سے سب کچھ چھین
جائے۔

مہالوں کے آنے کا وقت ہو گیا ہے اُن کے بولنے کی
آوازیں کمرے تک آرہی ہیں۔ شاید کچھ جہاں اُچکے ہیں۔
اگر وہ بھی آگئی تو ہم کیا کریں گے۔ اپنے آپ کو کہاں
چھپائیں گے۔ یہاں طوفانِ ضرور آئے گا بیگم — ضرور آئے
گا۔ وہ بے لیس اور بے دم سے ہو کر کسی پر کسی پر گر گئے۔

باہر ہمالوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ شاید وہ ڈاکٹر آصف
کے پاس میں استفسار کر رہے تھے۔ اور مانی جس کو نہیں معلوم
تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہیں انہیں ضرور تلاش کر دی ہو گی۔
اللہ — ہم کیا کریں۔ ڈاکٹر آصف کو اسٹے

پھر ایک خیال ہی تھا جو ان کے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا تھا۔
اور وہ یوں سنہل گئے جیسے کسی ٹوہٹے کو مضبوط سہارا مل گیا ہو۔
کچھ لمحوں بعد وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے تیزی سے اپنے

اتنے میں ڈاکٹر یوسف اور بیگم یوسف جو ان کے دوستوں میں

جو نبی ڈاکٹر آصف کی گاڑی داہنے پیاٹک سے اکل کر نظروں سے اوجھل ہوئی ڈاکٹر لویہ سف بر لے۔

آؤ بیٹی — مہمانوں کو رسیو کریں۔

چلے اٹکل — مگر یہ ڈاکٹری پیشہ بھی کس قدر برا ہوتا ہے
کہ انسان اپنی خوشیاں کھو کر دوسروں کو خوشیاں دینے پر مجبور ہوتے
ہیں۔

تم بہت اچھی بیٹی ہو۔ ایسی باتیں مت سوچو — آؤ —
مسٹر ریسنے نے مانی کو پیار کرتے ہوئے ہاتھ پکڑ لیا۔ اور پھر
وہ لگ لالہ میں آگئے۔

ایک سرخ رنگ کی اسپرٹس کا رسیچاٹک سے گند کر بڑی روش
پھاگئی اور آہستہ سے رک گئی۔
یگاڑی آسیہ کی تھی جو اپنی چھوٹی بہن واسیہ کے ساتھ مانی
کی سالگرہ میں شرکت لینے آئی تھی۔

مانی انہیں دیکھ کر بڑی روش کی طرف لپکی —
خوش آمدید — وہ قدرے جھکتے ہوئے بڑے دلربا انداز
میں آسیہ کی طرف جھکی۔

آسیہ اس کی اس ادا کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرائی۔ اور
مانی کو پیار کرتے ہوئے لالہ کی طرف بڑھی۔
تمہارے ابو کہاں ہیں؟

وہ ایک مرلیف کو دیکھنے گئے ہیں۔

آج — جبکہ ان کے گھر میں مہمان موجود ہیں۔ مانی
بیٹی کی سالگرہ ہے۔

ایک زندگی کا سوال تھا وہ رک نہیں سکتے تھے۔ مانی مزور
بھی میں بولی۔

بڑے فرض شناس ہیں تمہارے ابو۔
وہ بہت اچھے ڈاکٹر ہیں۔ آج ہم آپ کو ان سے مزور
ملائیں گے۔

مزور — ضرور — کیوں نہیں تاسیہ مسکرائی۔
پھر وہ باتیں کرتے ہوئے لالہ میں آگئے۔
وقت گزرتا چلا گیا۔

پانچ سے چھ بجے سچر سات۔
سالگرہ کی رسم ادا کر دی گئی تھی۔ مہمان مختلف لوازمات سے
اپنے آپ کو بھر چکے تھے۔

ڈاکٹر آصف کے لئے ہر ایک نے بڑی شدت سے انتظار
کیا مگر وہ نہ آئے۔

پھر سات بجے سالگرہ کا ہنگامہ ختم ہو گیا۔ اور مہمان آہستہ

دیوار گھڑی نے نو بجنے کا اعلان کیا تو آسیدہ چونک کر مانی کی طرف
دیکھا۔ جو بے سدھ سو رہی تھی۔ اسی حالت واسیدہ کی تھی۔

اچانک کمرے میں گلبند داخل ہوئی۔
سدم بی بی جی —! کسی نے نہایت ادب سے آسیدہ کو
سدم آیا۔ آسیدہ نے سدم کا جواب دیتے ہوئے استہفامیہ انداز میں
اس کی طرف دیکھا۔

صاحب تو ابھی تک سہیں آئے۔ اگر آپ کہیں تو چائے بنا لائل۔
یہ نیکی کا کام کروگی۔ کیا نام ہے سہارا؟

گلبند —! —!
کچھ دن قبل کیا تمہاری شادی ہوئی تھی۔

جی —! گلبند ٹرنا کر بولی۔
کیا تمہارا سے صاحب اکثر بات گئے تک آتے ہیں۔
جی نہیں۔ یہ پہلا اتفاق ہے ورنہ وہ رات کا کھانا ہمیشہ مانی
بل کے ساتھ کھاتے ہیں۔ پھر باہر جاتے ہی نہیں۔ تو بہت تنہائی
پہنڈ میں۔

اچھا عبادو۔۔۔ چائے بنا لاؤ آسیدہ نے مسکرا کر کہا۔
بہت بہتر۔۔۔ ہم سب صاحب کی وجہ سے بہت پریشان

ہیں۔

گھبراؤ نہیں۔۔۔ مریض کی حالت زیادہ خراب ہوگی اس
نے نہ آسکے ہوں گے۔ آسیدہ نے تسلی دی۔

گلبند خاموشی سے باہر نکل گئی لہذا سیدہ اس بات سے متاثر
ہوئے بغیر ذرا سہی کہ یہاں کے ملازم تک اپنے مالک سے بے انتہا محبت
کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات اُس نے گلبند کے چہرے اور الفاظ سے ہی
محسوس کر لی تھی۔

کچھ دیر بعد گلبند چائے لیکر آگئی۔ برتن چھوٹی تپائی پر رکھ کر
اُس نے ایک پیالی تیار کی تو آسیدہ بولی۔

جاؤ تم بھی جا کر اب آرام کرو۔ ہم تمہارا سے صاحب کے آنے
تک یہیں موجود ہیں۔

جی نہیں تو کسی کو بھی سہیں آئے گی۔ بابا بھی جاگ رہے ہیں
اور عین بھی باہر بھاٹک پہ کھڑا مالک کا انتظار کر رہا ہے۔

ارے اُسے مردی میں باہر کھڑے ہونے کی کیا ضرورت ہے۔
میں بھی وہیں ہوتی۔ لیکن اُس نے مجھے آپ کے لئے چائے تیار کیے
گو کہہ کر اندر بھج دیا۔

پاکل ہے۔۔۔ عبادو اُسے کہہ کر آرام کرے۔ پریشانی ہونے

کی ضرورت نہیں — مریض کو دیکھنے گئے ہیں تاکہ محاذ پر۔
گلابدن خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔
لیکن آسبہ جانتی تھی کہ اس قدر مالک سے محبت کرنیوالے
ملازم اس کا کہا ایسے نہیں، بند گئے۔ وہ اب بھی سردی کے
اندر باہر پھاٹک پر موجود ہو، گئے۔

آسبہ یہاں پہلی بار آئی تھی اور وہ یہاں کے ماحول سے
کافی حد تک متاثر ہوئی تھی — ایک بار پھر وہ میگزین کو
سامنے رکھ کر اس پر نظریں ڈالنے لگی اور گرم گرم چائے
کے گھونٹ حلق سے اُٹارنے لگی۔

دوسری طرف گلابدن سردی سے بری طرح کانپ رہی
تھی۔ ایک طرف جہن کھڑا باہر سڑک پر نظریں جھائے ہوئے تھا۔
سردی بھی معمول سے کچھ زیادہ بڑھ گئی تھی۔
اچانک گلابدن نے دانت پر دانت جھاکر کہا۔
اے جہن! سردی بہت بڑھ گئی ہے۔

پھر میں کیا کروں؟
گلابدن سرک کر اس کے قریب ہو گئی اور سرگوشیاں انداز میں بولی۔
”مم — میں تمہارے ساتھ لگ کر کھڑی ہو جاؤں۔“

ہوں..... جہن نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔ پھر اس کا
مقدمہ سمجھ کر ہستہ سے بولا۔

اس سے کیا ہوگا.....؟
جسم کو گرمائی پہنچے گی۔

یہ بھی کر دیکھو..... جہن برا سامنے بنا کر بولا پھر کسی خیال
کے تحت جل کر بولا۔

ارے تو کواڑ میں کیوں نہیں چلی جاتی۔

ارے ادا کیا ایک تم ہی ہو جو صاحب سے محبت کرتے ہو۔ کیا میں
ان کا نمک نہیں کھاتی؟
حرام کھاتی ہو۔

اے بس زبان بند کرو۔ مرے کی ٹانگ تو تم چراتے ہو۔
صرف تمہارے لئے..... خود تھوڑی کھاتا ہوں۔

مگر میں تو نہیں کہتی کہ تو چوری کیا کر۔

یہ سب محبت کی باتیں میں تو کیا جاملے

بچی ہوں نا گلابدن برا سامنے بنا کر بولی۔

نہیں میری جان کھانے کے لئے پیدا ہوئی ہو۔ جہن جل کر بولا۔
اب بھگتا کرو گے۔

سہنس سہتا رہی پوجا کراں گا شریعتی جی۔
 یہ شریعتی جی کیا ہوتا ہے۔ گلبدن نے آنکھیں نکالیں۔
 کیا تم خاموش بہنیں رہ سکتیں۔ جمن اسے گھورتے ہوئے بولا۔
 زبان کاٹ دو۔۔۔

کسی دن کاٹنی ہی پڑے گی ناگہیو نہی چلتی رہی۔
 گلبدن کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ جمن چیتے ہوئے بولا۔
 ارے دیکھو صاحب کی گلاری آ رہی ہے۔
 چلو اب کوڑی میں چلیں، درندہ صاحب ناراض ہوں گے۔
 ددڑن جلدی سے سہانک چھوڑ کر کوڑی کی طرف بڑھ گئے۔

ڈاکٹر آصف۔۔۔۔۔

جو چار پانچ گھنٹے۔۔۔ بڑی اذیت سے ٹریکس نا پتے گزار کر
 آئے تھے۔ اس وقت چوروں کی طرح اپنے ہی گھر میں داخل
 ہو رہے تھے۔

دل تنہا کہ پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

انہوں نے زندگی میں پہلی بار جھوٹ بولا تھا اور بیٹی کو جھانسنے
 دیکر نکل بھاگے تھے۔ جتنی دیر وہ باہر رہے ان کا دل روتا رہا ایک
 ایک لمحہ اور ایک ایک گھڑی انہوں نے ان کا دل پر کافی تھی۔۔۔
 بیٹی کا سہلہ نہ کرنے کی ان میں بہت بہنیں تھی۔ مگر اس کے باوجود بھی وہ اس

اور یہی حالت آسیہ کی ہوئی تھی۔ جس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور ایک دم بولکھلا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھوں سے میگزین نیچے قالین پر گر پڑا تھا اور وہ اسے گھورے جا رہی تھی۔

ڈاکٹر آصف نے یوں آنکھیں بند کر لی تھیں جیسے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے پہنچتے تھک گیا ہو۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔
نت..... تم..... آسیہ کے ہونٹوں سے صرف اتنا ہی نکلا تھا۔ مگر ڈاکٹر آصف نے تو ہونٹوں کو بڑی مضبوطی سے سی لیا تھا۔ وہ یوں گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔ جیسے ان کا دم نکل رہا ہو۔

آسیہ نے بے نفرت انگیز نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ پھر ایک بھر پور نگاہ سوئی ہوئی مانی پر ڈالی۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ قیامت خیز انداز میں لپکتے ہوئے تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

وآسیہ کو بھی اس نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔
ڈاکٹر آصف نے یک ایک آنکھیں کھول دیں۔ اداس لے بڑی بے بسی کے عالم میں ہونٹوں کو چبا ڈالا۔

کے سامنے جانے پر مجبور تھے۔
گاڑی روڈ پر کھڑی کر کے وہ دبے پاؤں دھڑکتے ہوئے دن کے ساتھ بیٹی کے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہ مزید جھوٹ بولنے کے لئے اپنا پ کو تیار کر چکے تھے۔
لیکن انہیں کیا معلوم جس طوفان سے وہ خوف زدہ ہو کر گھر سے بھاگے تھے۔ اس وقت وہی قیامت مانی کے کمرے میں موجود ہے۔ اگر انہیں معمولی سا شک بھی ہو جاتا کہ آسیہ... جس سے وہ بھاگ کر بنگلے سے نکل گئے تھے۔ اور چار پانچ گھنٹے تک مسلسل اذیت میں مبتلا رہے تھے، یہاں موجود ہے تو وہ کبھی بھی بنگلے میں قدم نہ رکھتے....“

برآمدے میں آکر انہوں نے اپنی سالتوں کو درست کیا اور پھر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے مانی کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔
دوازے کے دونوں پٹ سمیٹے ہوئے تھے۔ جہتیں وہ ہاتھ سے ہلکا سا دباؤ دے کر اندر داخل ہو گئے۔

مگر یہ کیا.....؟
وہ اس طرح لڑکھڑا کر دیوار کے ساتھ لگے تھے کہ جیسے انہوں نے اپنے سامنے موت کے فرشتے کو دیکھ لیا ہو۔

دوڑیں بہت پیچھے رہ گئے ہوں۔
 عجیب سناٹا پورے ماحول پر مسلط تھا۔
 اور اس موت ایسے گمبھیر سنائے میں ایک انسان بڑی
 بے بسی سے تڑپ رہا تھا۔

باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔
 اور ڈاکٹر آصف بڑبڑا اٹھے۔
 یہی ہم اس قدر ہی اندھے تھے جو اسکی گاڑی کو نظر انداز کرتے
 ہوئے یہاں تک چلے آئے۔
 شاید وہ اس قدر بزدل تھے کہ روش پر کھڑی گاڑی کو
 یکسر نظر انداز کر گئے۔ ورنہ اسے دیکھ کر ضرور سوچنے کہ یہ گاڑی آخر
 کس کی ہو سکتی ہے۔

آسیہ جا چکی تھی۔
 اور کمرے میں موت کی سی خاموشی مسلط ہو کر رہ گئی تھی۔
 مانی اور واسیہ بے خبر سو رہی تھیں۔
 ڈاکٹر آصف نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے آگے بڑھنا چاہا
 مگر وہ بڑکھڑا گئے۔ اور کمرے تک پہنچ کر اس پر گر گئے۔
 یہ وہ کمرہ تھا جس پر کچھ دیر قبل آسیہ بیٹھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔

.....!

میگزین کے ورق کھلے ہوئے تھے جو قالین پر پڑا اسکا منہ

چرا رہا تھا۔

ڈاکٹر آصف کمرے پر بیٹھ یوں سر تھکے تھے جیسے زندگی کی

آپ سو رہی تھیں وہ انتظار کرتے کرتے ناشتہ کئے بغیر
ہسپتال چلے گئے۔

اور باجی اسیہ —

وہ رات کو ہی چلی گئی تھیں۔

ابو کب اُسے بچھے؟ مانی بے تابی سے سوالات

کرتی چلی گئی۔

لو بجے کے قریب!

اور ابو ناشتہ کئے بغیر چلے گئے۔

جی!

تم نے ہمیں اٹھایا کیوں نہیں؟

صاحب نے منع کر دیا تھا۔ گلہ دن ڈرتے ڈرتے بولی۔

تیز تیز باتوں کی آواز سن کر اسیہ بھی بیدار ہو گئی۔

اور اسے اس بات پر حیرت ہوئی کہ وہ رات مانی کے بستر

پر ہی سوتی رہی تھی۔

گلہ دن چلی گئی۔

اور مانی نے اسیہ سے کہا چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ ہم بہت

سوئے ہیں۔ ابو ناشتہ کئے بغیر ہسپتال چلے گئے۔

صبح ناشتہ کئے بغیر ڈاکٹر آصف ہسپتال جا چکے تھے۔
کیونکہ مانی ہو کر ضرورت سے زیادہ تھک کر سوئی تھی۔ دن پڑھے
تک سوتی رہی تھی۔ اور یہی حالت اسیہ کی ہوئی تھی۔
مانی جب بیدار ہوئی تو صبح کے سات بج رہے تھے۔ اور
گلہ دن بڑی عجیب نظروں سے مانی کی طرف دروازے میں کھڑی
دیکھے جا رہی تھی۔ ناشتہ مانی گلہ دن کے بیدار کرنے پر ہی
جنگ تھی۔

صبح بخیر بی بی — !

مانی نے ابو کھدا کر اپنے پہلو میں بے خبر سوئی ہوئی اسیہ

کی طرف دیکھا۔ پھر اُس کی طرف جہاں اسیہ بیٹھی تھی۔

» ابو کھدا ہیں؟ مانی نے گلہ دن سے پوچھا۔

واسیہ ایک انگریزی لے کر بستر سے اٹھ گئی۔
 اور مانی سجا گئے ہوئے ٹیلیفون کمرے میں آئی۔ ہوسپٹل کے
 نمبر ڈائل کرتے ہوئے وہ تیزی سے بولی۔
 ہلو..... ہلو..... کون.....؟ نرس.....
 دیکھو میں ڈاکٹر آصف کے بنگے سے مانی بول رہی ہوں۔ کیا
 ابو ہوسپٹل پہنچ گئے.....؟
 جی ہاں..... دوسری طرف سے نرس نے مانی کو
 پہچانتے ہوئے اہستہ سے کہا۔
 اسہیں جلدی سے بلاؤ۔

”ہولڈ کیجئے.....“ نرس ڈاکٹر آصف کو بلا لے چلی گئی
 جو اس وقت وارڈ کے مریضوں کو دیکھنے میں مصروف تھے۔
 کچھ دیر بعد جب مانی کے کالوں میں ڈاکٹر آصف کی آواز
 ابھری تو مانی بولی۔

آپ ہم سے ملے بغیر چلے گئے۔ اور ناشتہ تک نہیں کیا۔
 والپس آئیے..... جلدی..... کیا.....!۔
 نہیں ابو..... آپ گھر والپس آئیں۔ یہ ضد کی بات نہیں
 ابو..... آپ نے ناشتہ تک نہیں کیا۔ مانی الجھتے ہوئے بولی

سک..... کیا کہا..... آپ کر چکے..... اور
 اکیلے..... بس ہم نہیں بولتے آپ سے..... روٹھ
 گئے آپ سے ہم۔ اتنا کہتے ہوئے مانی نے ریسپورر کھو دیا۔
 اور جھانپے ہوئے انداز میں اپنے کمرے میں آ گئی۔
 کیوں کیا بات تھی۔ واسیہ نے اس سے پوچھا۔
 ابو نے ناشتہ ہوسپٹل میں کر لیا۔

تو پھر کیا ہوا۔؟ یہ کوئی بری بات تو نہیں؟
 نہیں تم نہیں جانتیں واسیہ کہ آج تک ابوں نے
 ہم سے جدا ہو کر ناشتہ نہیں کیا۔

نہیں ہم سو ہو رہے تھے۔ واسیہ نے دلیل دی۔
 پھر کیا ہوا.....؟ مانی پر اماں جان والے انداز میں

بولی۔

اچھا ختم کرد۔۔۔۔۔ آؤ تیار ہو کر اسکول چلیں۔
 اسکول ضرور جائیں گے لیکن ناشتہ کئے بغیر۔
 کیوں بی مانی.....؟ میں نے کیا جرم کیا ہے؟ کراپنے ساتھ
 مجھے بھی سمجھو کا مار رہی ہو۔
 تم کر لو.....

اکیلے....

اکیلے تو نہیں لگے گا۔ مانی برا سامنہ بنا کر بولی۔

والسید نے سر کو جھٹک کر اسکی بات اڑادی اور سپر کچھ

دیر بعد وہ اکیلی ناشتہ کر رہی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر دونوں اسکول چلی گئیں۔

دوپہر کو ڈاکٹر آصف کھانے کیلئے مگھر آئے تو مانی اپنے

کمرے میں بدٹھی ہوتی بیٹھی تھی۔

کی ہماری بیٹی ہم سے ناراض ہے ؟ وہ اندر داخل ہوئے

اور مسکرا کر بولے۔

قطعی ناراض ہے اور سخت ناراض ہے۔

ہیں مٹا نا آتا ہے۔

ہم بہنیں مائیں گے..... مسائی نے ٹیکٹ

رخ پھیر لیا۔

ڈاکٹر آصف کے دل پر جیسے کسی نے گھول نہ مار دیا ہو۔ وہ

دل مسوس کر رہ گئے..... مگر وہ مسکرائے پر مجبور تھے۔

مانی کے قریب ہوتے ہوئے بولے۔

اگر ہماری بیٹی ہم سے بدٹھئی تو پھر ہمارے پاس رہ ہی کیا

جلے گا... ڈاکٹر آصف کی آواز کھرائی ہوئی تھی۔

مانی نے ان کی آواز کی لہزش محسوس کرتے ہوئے جلدی

سے انکی طرف دیکھا اور بولی۔

دیکھئے کسی کو متانے کا یہ طریقہ تو بہنیں..... اتنا کہتے

ہی وہ بے ساختہ رو پڑی۔

مانی..... ڈاکٹر آصف تڑپ کر آگے بڑھے اور انہوں

نے مانی کو پکڑ کر سینے سے لگایا۔

تت..... تم رو کیوں پڑی ڈاکٹر آصف اسے سینے

سے لگائے لگائے ہلکا کر رہے ہوئے بولے۔

ابو..... مانی مسکرا کر بولی۔

ہم سے کیا جرم ہوا ہے ؟

آ..... آپ کو منانا جو بہنیں آتا۔ مانی تڑپ کر بولی۔

تم روٹھی بھی تو کبھی اس انداز سے نہیں۔

اب بہنیں روٹھوں گی۔

ہاں مانی..... اب کبھی نہ روٹھنا۔ ہمارے پاس سوائے

تمہاری گلاب ایسی مسکراہٹ اور نمکنتہ قہقہوں کے اور کچھ نہیں.....

ایک تم ہی ایک ایسا بھول ہو۔ جو ہمارے پورے چمن میں کھلا ہے۔

اور یہ پورا گھر صرف اور صرف ہمارے خوشبو سے مہک رہا ہے۔

اچھا..... اچھا۔ اب آپ باتیں نہیں بنائیں

صرف یہ بتائیں کہ ناشتہ کیوں نہیں کیا تھا۔

ڈاکٹر آصف سے ہو چکے۔ مگر بات بناتے ہوئے بولے۔

ہم جانتے تھے کہ سالگرہ پر بہت تھک گئی ہو گی اس لئے نہیں

اٹھا نا اچھا نہیں سمجھ سکتا۔

مگر ناشتہ کیوں نہیں کیا تھا۔ مانی زور دیکر بولی۔

ہمارے بغیر کیسے کر لیتے۔

جھوٹ..... سفید جھوٹ..... آپ نے ٹیلیفون پر کہا

تھا کہ آپ ہو سٹل میں کر چکے ہیں۔

نہیں ہم نے اس وقت جھوٹ بولا تھا کیونکہ ہم نہیں چاہتے تھے

کہ تم بغیر ناشتہ کے اسکول جاؤ۔

مگر پھر بھی ہم نے نہیں کیا۔

سک..... کیا؟ ڈاکٹر آصف کی آواز لڑی

ہم آپ کے بغیر ناشتہ کیسے کر سکتے تھے۔

چلو..... اٹھو جلدی کرو..... ہر قوف کہیں کی۔

پہلے آپ نے اس قدر پیار کیوں بڑھایا تھا

مانی آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

ڈاکٹر آصف نے ایک بار پھر اسے سینے سے لگایا اور بھرائی
ہوئی آواز میں بولے۔

بالکل اپنی ماں پر گئی ہو۔

کیا وہ اچھی نہیں سمجھتی۔

بہت اچھی سمجھتی۔ اسی لئے تو ہم نے دوسری شادی

نہیں کی۔

کیوں.....؟ مانی مضمونیت سے بولی۔

کیونکہ ان سے اچھی امی ہمارے لئے تلاش نہیں کر سکتے

تھے.....

جھوٹ..... ہم نے تو کر لی۔ مانی نے مسکراتے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر آصف نے بڑی بے بسی سے ہونٹ چبا لئے اور اسے

کمرے سے باہر لے جاتے ہوئے بولے:

پہلے کچھ کھا لو..... کیا صحت بنا رہی ہے۔

آپ نے آئینہ دیکھا۔ مانی نے پوٹ کی۔

شریہ کہیں کی۔ ڈاکٹر آصف دل کی گہرائیوں سے مسکرائے۔

کچھ دیر بعد دونوں باپ بیٹی کھانے کے کمرے میں آمنے سامنے

بیٹے تھے۔

دونوں بچے کے بھوکے تھے۔

گوکہ دونوں کے درمیان سمجھوتہ ہو چکا تھا۔ لیکن قدرت درجلا

کیا چاہتی تھی۔

اور کاتبِ تقدیر آسمان پر بیٹھا ان دونوں پر مسکرا رہا تھا

مسانی مطمئن ہو گئی تھی۔

لیکن ڈاکٹر آصف اپنی طرف ایک منہ زدہ طوفان برپا
ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ان کا لڑتا ہوا دل ہر لمحے ہی دعا مانگ
رہا تھا کہ قدرت ان سے کوئی امتحان نہ لے۔

ایک باپ کے بیٹے کو کسی آزمائش میں نہ ڈالے۔ کیونکہ
وہ اپنی بیٹی کے سامنے بے بس تھے۔

وہ بے حد خوف زدہ تھے۔

آنے والے برسوں سے اُن کا دل لڑتا رہتا تھا۔
آج مانی اسیہ کے گھر گئی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر آصف اُسے
روک بھی نہیں سکے تھے۔

اُس نے کتنی مصروفیت سے کہا تھا کہ اب تو آج ہم اپنی

ہم سے مل کر آئیں گے۔ کتنی اپنا بیت تھی۔ آسیدہ کہیں کس
اس کے ہچے میں کتنی اپنا بیت تھی۔ آسیدہ کہیں کس
قدر محبت کا دریا موجزن تھا۔ اُس آواز میں۔

وہ چلی گئی تھی۔
اور ڈاکٹر آصف پوری جان سے لڑ کر رہ گئے تھے۔
آسیدہ کی نظرت سے وہ بھولی باخبر تھے۔
وہ جانتے تھے کہ اب جبکہ اُسے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ہماری بیٹی
ہے تو ہو سکتا ہے وہ اُس سے بھی نفرت کر جائے۔
مگر وہ کس قدر مجبور تھے کہ بیٹی کو روک بھی نہ سکے۔
روکتے بھی کیا کرہ کرہ.....

کیونکہ مانی اپنے وقت کی عجیب و غریب لڑکی تھی۔
صورات کی بوجھار کر دیتی اور اس میں خود اپنا آپ بچانا مشکل

ہو جاتا۔

بس وہ خاموشی سے اُسے جاتا دیکھتے رہے۔
اور مانی دل میں خوشگوار دھڑکنوں کا احساس لئے آسیدہ
کے پیراں پہنچ گئی۔ وہ سیدھی آسیدہ کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔
اسے مانی نے آسیدہ کے کمرے کو بھی نظر انداز کر گئی تھی۔

یہ حقیقت تھی کہ وہ آسیدہ سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔
ایک ایسی محبت جو اولاد اپنی ماں سے کرتی ہے۔
جوں ہی وہ آسیدہ کے کمرے میں داخل ہوئی اور آسیدہ کو
کمرے پر بیٹھے دیکھا جو کسی میگزین کے ورق پھر پھڑا رہی تھی۔ بازو
پھیلا کر اس کی طرف لپکی۔

آسیدہ نے اس کی طرف عجیب سے نظروں سے دیکھا۔
مانی نے اس کی پیشانی پر ایک ٹویل پوسٹ دیتے ہوئے کہا۔
آپ نے کبھی ہمیں پایا نہیں کیا۔
آسیدہ نے بڑی مضبوطی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ براہِ مانی
کی طرف دیکھنے جا رہی تھی۔

نک..... کیا بات ہے کیا ہم سے کوئی گستاخی سرزد
ہو گئی۔ مانی آسیدہ کو یوں اپنی طرف دیکھتے پا کر نروس ہوتے ہوئے
بولی۔

تم ڈاکٹر آصف کی بیٹی ہو۔

جج..... جی..... مانی کا حلق خشک ہو گیا۔

وہ بہت برے انسان ہیں اور نہایت ہی بدتمیز آسیدہ
نزد دیتے ہوئے بولی۔

جسے اس کا دم اکھڑ رہا ہو۔

ہمارے ابو نے کیا جرم کیا ہے؟ وہ سانسوں کو پھینچ کر بولی۔

جرم؟..... آسید ہونٹ پھینچ کر بولی۔

تم معلوم کر کے کیا کرو گی؟

”بب..... بتا دیجئے۔“

”تم بچی ہو..... ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گی۔“

دیکھئے..... اگر ہمارے ابو نے آپ سے کوئی بدتمیزی

کی ہے تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔

ہم نے تو آپ کو دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے؟ سوتے

جاگتے آپ کی تصویر کو اپنی پلکوں میں بسایا ہے۔ خوابوں میں

آپ کے پہلو میں لیٹ کر آپ سے لوریاں سُنی ہیں بخدا.....

کی..... قسم..... ہم..... نے..... جس قدر آپ کو چاہا

ہے..... دُنیا میں آپ کو اور کوئی نہیں چاہ سکتا۔

خاموش ہو جاؤ۔ آسید غرا کر بولی

دھکے مار کر نکال دیجئے۔ پھر کبھی نہیں آؤں گی۔ لیکن رات

کو سوتے میں آپ کے پہلو ہی میں ہوں گی۔ خوابوں میں آپ سے لوریاں

مانی کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ ذہن سستا ہٹ کا شکار ہو گیا

اور خود وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جالنگی۔ وہ پھرت اور پھٹی پھٹی نظروں

سے آسید کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

جاؤ..... ہم نے تمہیں یہ کہنا تھا کہ..... اب اگر تم

اس گھر میں داخل ہو تو ہمارے کمرے میں مت آنا۔ تم اس سیر کی

دوست ہو..... صرف اُس سے واسطہ رکھو۔

”اتنی.....“ مانی کا دل جیسے کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا

کیا بکواس ہے۔ آسید چراغ بپا ہو کر بولی۔

ہم تمہیں ایک بچی سمجھ کر درگزر کے سہارے ہیں۔ لیکن تم ہر

چڑھے جا رہی ہو۔ آئندہ ایسا لہرہ لفظ زبان پر مت لانا۔

چڑھے جا رہی ہو۔ آئندہ ایسا لہرہ لفظ زبان پر مت لانا۔

مانی کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ وہ لڑکھڑائی اس سے

قبل کر رہی تھی اس نے دونوں ہاتھوں سے بڑی مضبوطی سے دیوار کو

پکڑ لیا۔

آسید اُسے گھورتے ہوئے مزید بولی۔

تم ایک سمجھ دار بچی ہو..... امید ہے کہ آئندہ ہمیں تنگ

نہیں کرو گی۔

مانی آنکھیں بند کر کے یوں گہری گہری سانس لے رہی تھی

دیجئے۔ ہماری چاہت واپس کر دیجئے۔

..... اور ہمیں ہماری وہ باتیں دیدیجئے جن میں ہم نے آپکی پرستش کی تھی۔

تم اپنے فعل کی خود ذمہ دار ہو۔ ہمیں کیوں روش سے رہی ہو۔

آپ آپ ہمیں گلے لگا لیجئے ورنہ ہم مر جائیں گے۔ مانی دیوانوں کی طرح بازو پھیلا کر سسکتے ہوئے بولی۔

خدا کے لیے جاد کیوں ہمارا وقت ضائع کر رہی ہو
 فقور اگر ابونے کوئی کیا ہے تو آپ ہم سے کیوں منہ موڑ رہی ہیں
 مانی تڑپتے ہوئے بازو پھیلائے پھیلائے بولی۔

بابا ہماری جان چھوڑ دیا مصیبت ہے ؟

خدا کی قسم ہم نے بہت پیار کیا ہے
 آپ سے مانی اتنا کہتے ہی لڑکھرائی۔ آسیر نے جدی سے اُسے آگے بڑھ کر گرنے سے بچا یا اور ہمارا دیتے ہوئے بولی۔

ہوش میں آؤ مانی

ہمارا دل بھٹ گیا ہے مانی نے اس کے بازوؤں میں جھولتے ہوئے کہا۔

نزد سونے گی

ہمیں نیند ہی نہیں آتی جب تک آپ کی کوئی لوری تمس لیں

لیکن اس میں ہمارا کیا قصور ہے آسیر تامل کر بولی۔

قصور تو آپ ہی کا ہے۔ مانی رزاتی ہوئی آواز میں بولی اسکی

آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھیں اور وہ کہہ رہی تھی۔

ہاں قصور آپ کا ہے۔ آپ ہمیں اس قدر اچھی کیوں

لیکن کہ ہم نے دن رات آپ کے خواب دیکھ ڈالے۔ ہر رات آپ

مے پہلی میں سوئے۔ دن رات آپ کا تصویر سینے میں چھپائے رہتا

اگر آپ نے ہمیں اتنی بے ہوشی سے ٹھکرا دیا تو ہم آپ کو بدعا

دیں گے کہ خدا آپ کو کبھی پین لھیب نہ کرے۔ جس طرح ہم تڑپ

تڑپ کر مریں گے اسی طرح آپ بھی تڑپ تڑپ کر مریں۔

مانی آسیر جھینڈ کر آگے بڑھی تو مانی نے اس کا چہرہ

غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ کہنے لگی مانی کہ

گورے جلد ہی تھکی۔

مانی ایک دم رو پڑی۔ معصوم گویا ایسی آنکھیں جھپک رہی تھیں

وہ چیختے ہوئے بولی۔

اگر آپ بدعلا سے بچنا چاہتی ہیں تو ہمارا پیار واپس لوٹا

واسیہ زور سے حالت میں بھاگتے ہوئے ڈرائیور کی طرف
 ہنسی اندریوں بھاگ کر راستے میں دوبارہ گرتے گرتے پھیلتی۔ وہ مزید
 سے زیادہ زور سے ہونٹیں کھینچتی تھی۔
 کچھ دیر بعد وہ مانی کنہ ہوشی کی حالت میں گاڑی کی پچھلی سیٹ
 پہنچائے راحت منزل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

اسیہ نے اسے بازوؤں میں سمیٹنے لے کر بڑی
 بے بسی سے ہونٹ چبا ڈالے۔
 اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ کس مصیبت
 میں پھنس گئی ہے۔
 اس بچی کو کس طرح سمجھائے جسکی سمجھ میں کوئی بات
 نہیں آ رہی تھی۔

اور ایک ایسی بات کی ضرورت ہی تھی جو قطعی ناممکن تھی۔
 بالآخر وہ اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے بولی۔
 اے.... مانی.... ہوش میں آؤ۔
 مگر مانی تو اس کے بازوؤں میں جھول کر رہ گئی تھی۔
 اب آسیہ کو احساس ہوا کہ وہ بری طرح بوکھلا گئی۔
 اس نے مانی کو مہری پر چھوڑا اور خود بھاگتے ہوئے واسیہ کے پاس
 پہنچی....

دیکھو مہاری دوست بے ہوش ہو گئی ہے۔ تم ڈرائیور
 سے کہو کہ گاڑی لے کر اسے گھر چھوڑ آئے اور تم بھی ساتھ چلی جاؤ۔
 کیا ہوا اُسے.... واسیہ بوکھلا کر بولی۔
 معلوم نہیں..... اب جلدی کرو ویر مت کرو۔ آسیہ مختصر آہولی

اٹھایا تھا اور خواب گاہ میں لے آئے تھے۔
گوکہ تمام ملازم ڈاکٹر آصف کی چینج سن کر جمع ہو گئے تھے۔ اور جب
اپنی یہ معلوم ہوا کہ مانی بے ہوش ہے اسے ہوش نہیں آ رہا۔ تو
ان کے چہرے زرد ہو گئے۔

ڈرائیور گاڑی لے کر جا چکا تھا۔ البتہ واسیہ وہیں رہ گئی تھی۔
وہ اس وقت خواب گاہ کے کونے میں کھڑی تھی مگر کانپ رہی تھی۔
مانی جیسے مسہری پر لٹا دیا گیا تھا۔ اس وقت ڈاکٹر آصف دیوالوں
جیسی حالت کے ساتھ اور رزتے ہوئے ہاتھوں سے انجکشن دے رہے
تھے..... یہ

اچانک وہ واسیہ کی طرف مڑے۔
اسے کیا ہوا لڑکی..... ان کی آنکھیں جو خون کی طرح
سرخ ہو رہی تھیں۔

واسیہ اپنی دیکھ کر بری طرح بہم گئی۔
م..... معلوم نہیں۔
پھر اسے معلوم ہے۔ ڈاکٹر آصف ہونٹ پیچ کر بولے۔
مجھے تو باجی نے اکہا تھا کہ مانی بے ہوش ہو گئی ہے اسے
ہلکے گھر پہنچا دیا جائے۔

بیہوشی کی حالت میں مانی کو راحت منزل لایا گیا تھا۔
ساتھ بھر واسیہ رو رو کر اُسے ہوشوں میں لانے کی کوشش کرتی
رہی..... مگر صدمہ اس قدر گہرا تھا کہ مانی ہوش میں نہ آ سکی
اور اسے اسی حالت میں راحت منزل لایا گیا۔
جو وہی ڈاکٹر آصف کو معلوم ہوا۔ وہ دیوالوں کی طرح اسکی طرف
لپکے تھے۔

ان کی چینج اس قدر بھیانک تھی کہ راحت منزل کے
دروازے تک لڑک رہ گئے۔
واسیہ بہم کر ایک دم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ جیسے مانی کی بیہوشی
میں اسی کا ہاتھ رہا ہو۔

ہلکے ہوتے ہاتھوں سے انہوں نے مانی کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

واسبہ نے صفائی پیش کی پھر وہ بے ساختہ رو پڑی اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ ڈاکٹر آصف بڑی بے بسی کی حالت میں پھر مانی پر جھک گئے اب وہ دوسرا انجکشن تیار کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لرز تھا جیسے ان پر رشتہ طاری ہو۔

دیکھا جائے تو ان کا پورا وجود ہی بس میں نہیں تھا۔ نجانے کس طرح اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے تھے۔ ادھر مانی تھی کہ کسی طرح ہوش میں آنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ ڈاکٹر آصف کو دوسرے انجکشن پر قوی امید تھی کہ اُسے ہوش میں آجانا چاہیے۔

انجکشن دینے کے بعد وہ پندرہ منٹ تک بڑی بیٹابے سے کمرے میں ٹہلتے رہے۔ جب انجکشن کی مدت بھی گزر گئی تو ان کے چہرے پر عجیب طرح کے رنگ پھیل گئے۔ ان کے ہونٹ بڑی طرح لرزے اور اس لرزش میں مانی کا نام تھا پھر وہ چیختے جیسے انداز میں اس پر جھکتے ہوئے بولے۔

مانی..... کیوں ہمارے ضبط کو آزار ہی ہو۔ مگر مانی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ پھر انہیں یکلخت کیس کے

بے ہوش ہونے کا احساس ہوا اور وہ حیران رادی طور پر ٹیلیفون کی طرف بڑے چلے گئے۔

وہ ہاسپٹل کال کر رہے تھے۔

ڈاکٹر خندہ..... نرس..... جلدی بلاؤ! اینس۔

پکڑو! بعد ڈاکٹر خندہ دوسری طرف سے رسیور لے چکی تھی۔

دیکھو ڈاکٹر خندہ..... ہم نیکے سے بول رہے ہیں ڈاکٹر زبیری

لو کال کرو۔ وہ جس حالت میں بھی ہوں اینس ساتھ لے کر فوراً پہنچو۔ مانی

اگلے حالت خطرے میں ہے..... ہاں..... ہاں..... بے ہوش

ہے..... گہرا صدمہ.....“

جلدی کرو..... وقت مت ضائع کرو۔ ڈاکٹر آصف پھر صبور۔

رکھو کہانی کی طرف لوٹ آئے۔

خود ان کی تمام ڈاکٹری دھڑی رہ گئی تھی عقل بھی جواب دے لیتی تھی

ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

تقریباً پندرہ منٹ کے مختصر عرصے میں ڈاکٹر خندہ اور ڈاکٹر زبیری

انگلی پر پہنچ گئے تھے۔

زبیری بچی کو دیکھو ڈاکٹر زبیری..... وہ کسی بہت گہرے

سوتے سے دوچار ہوئی ہے۔

صدمہ..... ہیرت ہے.... ڈاکٹر زبیری مانی پر جھکے ہوئے

ٹوٹ پڑے۔۔۔۔۔

ادہ.... ڈاکٹر ہم پر شک مت کرو۔ ہم نے تو کبھی اسے تیز لگا
سے بھی نہیں دیکھا اس نے تو توڑی کچھ غم خرید لئے ہیں جہاں تک میں
سب سے کسی بے درد نے اس ننھے سے پھل ایسے دل کو بڑی بے دردی
کھلا ہے۔

یہ کہیں اور سے بے ہوشی کی حالت میں لائی گئی ہے۔
ادہ..... کوئی کہانی ہے.... ڈاکٹر زبیری مانی کے پوٹو

کو کھول کر دیکھتے ہوئے بوسے۔
ڈاکٹر آصف کے دل کے ٹکڑے ہوئے جوار ہے سچے سچے
زبیری نے اتنے سہارے پر انہوں نے بتایا کہ وہ فلاں فلاں
دے چکے ہیں۔

گھبراہٹ نہیں آصف.... کچی نسی قسم کے خطرے میں نہیں فریل
ہوشی ہے جو کسی دقت بھی لٹا سکتی ہے۔
زبیری خدا کے لئے کچھ کرو۔ ہمیں بہلاؤ نہیں۔ ہم بچے نہیں ہیں
کہ کیس کی نوعیت کو نہ سمجھ سکیں۔

زبیری نے بڑی مضبوطی سے ہونٹ بچھنے لئے۔ وہ مانی کے

انجکشن تیار کر رہے تھے۔

ایک کونے میں دواسید اب بھی کھڑی تھڑ تھڑا رہی تھی۔
اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

ڈاکٹر آصف کی نظر جو اپنی اس پر پڑی تو اپنی اس پر دم سا آگیا
آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ دواسید کے قریب آئے اور اپنا رزٹا
ہوا ہاتھ اس کے سر پر رکھتے ہوئے لولے۔

تم یوں اپنے آپ کو کیوں ہلکان کر رہی ہو۔ ہماری مانی ٹھیک
ہو جائے گی۔

دواسید کو جب پیار کے دو لبوں سے تو وہ پھٹ پڑی۔ اندر ہی
اندر ہونٹوں کے آنسو رو رہی تھی۔ بے ساختہ اس کے ہونٹوں سے دینی دینی
چینگ لگی گئی۔ اور وہ تنجائے کس جذبے کے تحت ڈاکٹر آصف سے
لیپٹ گئی۔

انکل..... اُس کے ہونٹوں سے جیسے کراہ نکلی ہو۔
ڈاکٹر آصف کا سینہ ہی تو پھٹ گیا اب اُسے احساس ہوا
کہ باپ کے علاوہ بھی دنیا میں کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو اس کی بیٹی کو
والہانہ انداز میں چاہتی ہے۔

صبر.... صبر.... ڈاکٹر آصف بڑی مشکل سے اپنے آپ کو قابو رکھتے

ہوتے ہوئے پلوے۔

صبر کرو بیٹی..... بالآخر ان کی آواز ٹوٹ گئی۔ اور واسیر
کریوں تڑپتے دیکھ کر انہی آنکھوں میں ر کے ہوئے آنسو چھلک اٹھے۔
ڈاکٹر فرخندہ جو ڈاکٹر زبیری کی مدد کے ہی بھتیں آہستہ سے بولیں۔
ڈاکٹر پلیر..... مانی ہوش میں آ رہی ہے۔ برائے مہربانی خاموش
رہیے.....“

ڈاکٹر آصف تیزی سے پلے۔۔۔۔۔ ان کے چہرے پر کئی رنگ
اگر کدہ لگتے تھے۔

مانی کی پلکوں میں جھپٹش ہو رہی تھی ڈاکٹر آصف نے مضطربانہ
انذار میں اس پر مھکنبا چاہا۔ لیکن ڈاکٹر زبیری نے ان کو ٹٹلنے سے دبا کر
ہوشیار کر دیا۔ اور ڈاکٹر آصف اپنی جگہ تڑپ کر رہ گئے۔
واسیر بھی آہستہ آہستہ اپنی جگہ چھوڑ کر مسہری کے قریب آکر
اگر کھڑی ہو گئی تھی۔

مانی نے پوری طرح آنکھیں کھول دیں۔ اُس نے باری باری
سب کے چہروں پر نظریں دوڑائیں اور پھر نہایت ہی سنگین قسم کی
خاموشی سے اُس نے کروٹ بدل لی۔
ما..... نی..... ڈاکٹر آصف تڑپ کر آگے بڑھے اور اُسے ٹپلا

سے چھو کر بھرائے ہوئے بچے میں گویا ہوئے۔

مانی..... بیٹی..... کیا ہم سے ناراض ہو رہے ہو؟

مانی..... جواب دے۔

مگر مانی نے گہری سانسوں کے درمیان پھر آنکھیں بند کر لیں
ڈاکٹر آصف کی حالت یخیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بڑی مشکل
سے اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر فرخندہ اور ڈاکٹر زبیری نے باری باری مانی کو بولنے

پر اکسایا

مگر وہ گویوں رو پڑ گئی جیسے اب تازہ زندگی نہ بولنے کی قسم

کھالی ہو۔

بقول ڈاکٹر زبیری کے کہ وہ اس وقت پوری طرح اپنے خوش و

ہوا اس میں تھی گو کہ ڈاکٹر فرخندہ کے چہرے پر اب اطمینان کی
لہریں موجود تھیں۔ مگر ڈاکٹر آصف پاگل ہوئے جا رہے تھے۔ مانی کے
اس طرح خاموش ہو جانے پر ان کا دل ہی تو کٹ گیا تھا۔ جیسے
ان کے دل کو کسی نے مسل کر رکھ دیا ہو۔

مانی نے ایک بار..... انکی طرف اشتکیار آنکھوں سے
دیکھا تھا۔ اور ان نظروں میں کیا کچھ نہیں تھا جنہیں پڑھتے ہوئے

ڈاکٹر آصف پوری جان سے تڑپ کر رہ گئے تھے۔
بالآخر انہوں نے دونوں ہاتھوں کے حصار میں مانی کے
رخساروں کو لے کر اس پر جھکتے ہوئے کہا۔

”دیکھو مانی! ہم نے زندگی میں کبھی تمہیں کوئی تکلیف نہیں
دی۔ ایک بھول کی طرح نازک جان کر تمہاری حفاظت کی اور تمہیں
پیار کیا۔ کیا اب اس کا بدلہ ہی ہے کہ تم ہم سے یوں رُخ موڑ لو
تمہارے یہ روٹھنے کے انداز ہمیں پسند نہیں..... کہیں ایسا
ہو کہ تمہارا یہ انداز ہماری جان لے لے۔ جو نہی ڈاکٹر آصف کے
جملے کی گونج ختم ہوئی۔ مانی نے آنکھیں کھول کر انکی طرف دیکھا۔
چھوٹے چھوٹے معصوم کٹورے آنسوؤں سے بھرے ہوئے
تھے۔ وہ ایک ٹک، باپ کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

مانی..... بولو..... جواب دو۔

مگر مانی نے سسک کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔
ڈاکٹر آصف کے ہنٹوں سے نکلنے والی کراہ کچھ ایسی ہی تھی۔
جیسے کسی دم توڑتے ہوئے انسان نے آخری ہچکی لی ہو۔
ڈاکٹر فرخندہ نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستہ سے

کہا۔

آپ اپنے آپ کو سنبھالیں۔ یوں بھی زورس ہو جائے گی
اگر وہ اس وقت بولنے پر آمادہ نہیں ہو رہی تو اس پر زیادہ

زور مت دیجئے۔

ڈاکٹر آصف نے بڑی عجیب اور وحشت سے بھرپور نظروں
سے ڈاکٹر فرخندہ کی طرف دیکھا
پلیز..... فرخندہ نے پھر التجا کی۔

اور ڈاکٹر آصف دھڑلے ہاتھوں سے سر تھما کر کرسی کی
طرف بڑھ گئے۔ کمرے کے ماحول پر ایک ماتمی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ ہر
ذہن کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اور ہر دل کسی نہ کسی پوچھتے رہا تھا۔

وہ ان کی طرف دیکھتی ضرور تھی۔ اشکبار نظروں سے شکایت
 آمیز نظروں سے۔ جیسے ان سے کوئی بہت بُری غلطی ہو گئی ہو۔ پھر وہ
 نگاہیں انہیں بہت کچھ کہتی ہوئی محسوس ہوئیں اور وہ اپنی کلکانات
 لٹتی ہوئی محسوس کر کے رہ جاتے۔ چار گھنٹے کی مسلسل جدوجہد کے
 بعد جب مانی بولنے پر آمادہ نہ ہوئی تو ڈاکٹر آصف نے مانی سے
 مخاطب ہوتے ہوئے کہا تھا کہ کیا ہم تمہاری باجی آسیہ کے پاس
 خود چل کر جائیں تو مانی نے انہیں کچھ اس طرح دیکھا تھا جیسے کہہ
 رہی ہو۔ کہ اس سے بڑا احسان اور کیا ہوگا ؟.....
 بس یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر آصف نے مجبوری کی حالت میں ایک
 اہم فیصلہ کر لیا۔

گاڑی ہوا کے دوش پر اُڑی جا رہی تھی۔
 اور واسیہ ان کی تیز رفتاری پر بُری طرح سہمی ہوئی تھی۔
 تقریباً پندرہ منٹ بعد ہی واسیہ کے بتلنے پر وہ گِلٹڈی کو آسیہ
 کے بنگلے کے پھاٹک پر کھڑی کر رہے تھے۔
 واسیہ ان کو راستہ دکھا رہی تھی۔
 وہ بغیر اجازت بنگلے میں داخل ہو چکے تھے۔
 واسیہ نے ان کے کہنے پر دُور سے ہی آسیہ کا کمرہ دکھا دیا تھا۔

آندھی اور طوفان کی طرح وہ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔
 واسیہ خوفزدہ انداز میں اپنی جگہ سمٹی بیٹھی تھی۔
 ڈاکٹر آصف آسیہ سے ملنے جا رہے تھے۔ بنگلے کا پتہ نامعلوم
 ہونے کی وجہ سے وہ واسیہ کو ساتھ لینے پر مجبور تھے۔
 انہوں نے ایک بہت اہم فیصلہ کیا تھا۔ تیور بہت خطرناک
 اور ارارے بہت مضبوط تھے۔۔۔۔۔
 گو واسیہ وہاں سے نہیں آنا چاہتی تھی لیکن آصف نے اُسے
 یہ کہہ کر تسلی دے دی تھی کہ وہ پھر جب چاہے اور جس
 وقت چاہے وہاں آسکتی ہے۔
 مانی کو بولنے پر مجبور نہیں کر سکے تھے۔ لاکھ کوشش
 کے باوجود وہ ہار گئے تھے۔

اور ڈاکٹر آصف بڑی نیرفتاری سے اس کے کمرے کی طرف بڑھے تھے۔

واسیہ دور کھڑی بڑی لرزتی نظروں سے ڈاکٹر آصف کی پشت پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔

ڈاکٹر آصف آسیہ کے کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئے انہوں نے دستک کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا۔

کون.....؟ اندر سے آسیہ کی آواز ابھری۔

ڈاکٹر آصف نے اس کے سوال کے جواب میں اکیبار پھر دستک دے ڈالی۔

دروازہ کا پردہ ایک جھٹکے کے ساتھ ہٹا تھا اور سامنے آسیہ تصویر حیرت بنی انکی طرف دیکھتے ہوئے پلکیں جھپک رہی تھی۔

کیا ہم اندر آ سکتے ہیں۔

دوسرے ہی لمحے آسیہ نے راستہ چھوڑ دیا لیکن اسکے چہرے پر کئی رنگ آکر گذر گئے تھے۔ اور وہ رنگ بڑے خطرناک تھے۔

فرمائیے..... وہ کمرے کے وسط میں پہنچ کر انکی طرف پلٹی۔

ڈاکٹر آصف نے بغور اس کی طرف دیکھا اور اپنے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے بڑی آہستگی سے بولے۔

آپ کی آنکھوں کی نفرت اور چہرے کے نقوش پر چھائے ہوئے احتجاج کو ہم پڑھ رہے ہیں..... مگر..... وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ایک لمحے کیلئے خاموش ہو گئے۔ ایلب رچرمن ہوں نے ایک ہی لمحہ نگاہ آسیہ کے سر پر پڑا۔ اور پھر لکچاپک بولے۔

انسان ازل سے ہی محبت کا بھوکا ہے اور یہ جذبہ بھی جہلی ہے جس پر انسان کو قدرت حاصل نہیں۔ لہذا ہمارے مڈیٹی اس وقت موت کی دہلیز پر کھڑی دستک دے رہی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کچھ لمحوں کے لئے ہمارے غریب خالے پرائیمریٹ لے آئیں ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے زندگی کے سہ ماہی کو بچالیں ڈاکٹر آصف کے بچے ہیں ایک تباہ تھی۔ ایک خاموش اپیل تھی۔.....

آسیہ نے بڑی نفرت سے ان کی طرف دیکھا۔

اور اپنے نفوس انداز میں لہجے میں ذلت پیدا کرتے ہوئے بولی۔

آپ نے اور کچھ کہنا ہے.....؟

ہمارے مڈیٹی کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس وقت بھی اس کے سر پرانے دو ڈاکٹر طہور ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا چاہتی ہے؟

سوال اس کے جاننے کا نہیں۔ یہی ہے لہذا خیالات اور

حرکات بھی طفلانہ حیثیت کی حامل ہیں اس لئے آپ فی الحال اس کی بے پناہ محبت کو مد نظر رکھتے ہوئے تشریف لے چلیے۔

آئی ایم سوری..... آپ یہ نہایت رکھا کی سے بولی۔

ہم اپنی بیٹی کی زندگی کی آپ سے بھیک مانگ رہے ہیں۔

اس کی زندگی اور موت ہمارے ہاتھ میں نہیں..... آپ

ڈاکٹر ہیں خود پر بھی آپ کو ضرورت سے زیادہ گھمنڈ ہے لہذا اگر آپ

تشریف لے جائیں تو لوازش ہوگی۔

ڈاکٹر آصف کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا وہ ہونٹ جھینچے

آسیہ کی طرف دیکھتے جا رہے تھے۔ اچانک ان کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی

اور وہ بڑے مضبوط ہلچے میں بولے،

”نیچے نترمہ..... ہمارے پورے گھمن میں صرف ایک

ہی سچول کھلا ہے اور وہی ہماری زندگی ہے۔ اور وہی سرمایہ حیات

ہم اسے کسی حالت میں بھی کھونا نہیں چاہتے۔ آپ کی نفرت بجا ہے،

عداوت برحق ہے۔ مگر اس پر رحم کھائیے جسکی زبان بند ہے جس کی

نظریں آپ کو ہر سڑک تلاش کر رہی ہیں۔ اس بچی کو شاید آپ انہیں

بانتیں جو حال اس کا جو ہم صرف اتنا ہے کہ اس نے دن رات آپ

کی پریشانی کی ہے۔ لیکن مجدا ہم اس بات سے بے خبر تھے۔ وہ کیا چاہتی

ہے۔ آپ اسے کیوں جائیتے۔ صرف اس وقت اس کی زندگی بچا

لیجئے۔ جو خود مہارے لئے بہت ضروری ہے۔

آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ آسیہ تیرے لہجے میں انہیں

گھورتی ہوئی بولی۔

ہم مایوس نہیں جانا چاہتے۔

لیکن ہمارے دامن میں کچھ سستیں جو خیرات کر سکیں آپ تشریف

لے جاسکتے ہیں۔

انسان کو غم خود غم نہیں اور بے رحم نہیں ہونا چاہیئے۔ ڈاکٹر آصف

تلہا کر بولے۔

ہم آپ کو کافی وقت دے کر برداشت کر چکے ہیں آسیہ کا انداز

بے حد زہریلا تھا۔

”خود پسندی انسان کو پستیوں میں لے جاتی ہے.....“

”اُئی سے یو کیٹ آؤٹ۔“ آسیہ دروازے کی طرف ہاتھ

اٹھا کر چیخی.....

ڈاکٹر آصف نے طبری بے بسی سے لپٹنے پر ہنٹ چب ڈالے۔ پھر

ان کے چہرے پر کچھ ایسے ہی تاثرات ابھرے تھے جیسے آسیہ کا گلا گھونٹ

دینا چاہتے ہوں۔ طبری بھی انک اور سنگین قسم کے تاثرات تھے۔

تھیں۔ جیسے کسی مجبور و مظلوم کے ہونٹوں سے سہرا نکل
کر منہ اکہ پڑا گتہ کر گئی ہو۔۔۔۔۔!

مگر بچنے کیوں وہ اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے تھے اور ان کے چہرے
پر اب زردی کی تہیں سی جم گئی تھیں۔ اور نظروں میں بے بسی کی پوچھائیاں
رقص کر اٹھتی تھیں۔۔۔۔۔

وہ ہونٹوں کو چباتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔

اسی لمحے آسید پھر لی۔

ہمیں تمہارے وجود سے شدید نفرت ہے آئندہ اگر یہاں داخل

ہوئے تو ہم تپتی ریاضت سنیں گے۔

ڈاکٹر آصف کے کالوں میں جیسے پگھلا ہوا سیمہ اترتا چلا گیا ہوا

جیسے نہیں کسی سر بازار تختہ دار پر چڑھا دیا ہو بلا قصور۔۔۔۔۔ بلا حسیب۔

”باہر نکلتے نکلتے وہ لڑکھا اٹکے تھے۔ مگر وہ رے کے نہیں۔۔۔۔۔

اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے نکلتے چلے گئے۔

واسید اب بھی وہیں کھڑی تھی۔ جہاں اسے چھوڑ کر وہ گئے

تھے۔ وہ اب بھی دور ہی تھی۔

ڈاکٹر آصف اسے نظر انداز کرتے ہوئے اپنی گاڑی

کی طرف بڑھے چلے گئے۔

اور واسید۔۔۔۔۔!

اس نے یوں سسک کر آنکھیں بند کر لی

قہر پھوٹ گئی۔ مگر کم از کم.....
 بس خاموشی!..... ایک لفظ بھی نکلا زبان سے تو مجھ سے
 برا نہیں۔ ہاں کہے دیتی ہوں۔
 کہیں سر دسے ماروں اپنا.....
 اندھے ہو..... کیا سمجھتیں اتنی ادنیٰ اپنی دیواریں نظر نہیں
 آتیں.....“

آج تم چاہتی کیا ہو..... بہ جن عاجز اگر بدلا۔
 بس مجھ سے ٹائیں ٹائیں مت کیا کرو۔ بیساکہروں دلیا کرو۔
 میں سالہا تمہارا اتحاد ہوں.....“
 اند میں سالی تمہاری پیوی ہوں۔ سمجھے..... وہ آنکھیں
 نکال کر بولی.....“

کیوں اچھی خاصی آنکھوں کا ستیا مان کر رہی ہو نیک بخت
 ایسے تم میری جو رو کم جلد زیادہ ہو۔
 اب ختم کرو گے یا نہیں.....
 بات تم نے شروع کی تھی
 میں نے.....!
 تو اور کیا تمہارے بارانے شروع کی تھی۔

گلاب نے گھر کر جہن کو دیکھا اور نظروں ہی نظروں
 میں اُسے تنبیہ کی کہ مانی بیار ہے۔ کچھ خیال کرو۔ ہم لڑتے
 جھگڑتے اس وقت اچھے نہیں لگتے۔
 ”نیک بخت تو کبھی کسی کا کہا بھی مان لیا کر۔ جہن نے اس
 کی نظروں کی پرواہ کئے بغیر احتجاج کیا۔
 کنویں میں گرنے کو کہو گے تو جاگروں گی..... کیوں.....
 بتاؤ..... وہ نن کر بولی۔
 جس کنویں میں گرو گی وہ بھی بلبل اٹھے گا اور سو سکتا ہے
 کہ تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دے۔
 کیا مطلب.....؟ گلاب کی نیوریاں چڑھ گئیں۔
 مطلب سمجھنے کے چکر میں مت رہا کر نیک بخت۔ اپنی تو سالی

دیکھ..... دیکھ جہن باوا تک مت جائیو۔ تم تو سب کا
فالتھ پڑھ چکے ہو اب میرے باوا کو مت لے بیٹھنا۔
اری کمبخت کیا میں موت کا فرشتہ ہوں۔ جہن ایکدم جھلا گیا۔
”میں نے تم سے کہا تھا کہ مانی بی بی بیمار ہے زبان کو لگام
دے کر رکھو۔“

مگر تم باز نہیں آئے۔ ٹر ٹر کئے جا رہے ہو۔

جہن نے اسے گھور کر دیکھا اور بولا۔

بات تم بڑھاتی چلی گئی ہو۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ ہم
میں راضی نامہ ہو سکتا ہے۔

جہنم میں جاؤ ہر وقت کے چو نچلے اچھے نہیں لگتے۔ تم
تو بالکل بے شرم ہوئے جا رہے ہو۔

اچھارات آنے دو۔

پھر کیا پہاڑ گرا لو گے۔

تمہاری چوٹیا تو ضرور کاٹ دوں گا۔

اے نیرا ستیا ناس..... جہن کے بچے کیا باتوں

میں لگا لیا تو نے مجھے۔ ارے میں تو مانی بی بی کے لیے

دودھ گرم کرنے جا رہی تھی۔

میں نے کب کہا تھا کہ دودھ گرم مت کرو۔

تم نے اپنی رام کہانی جو شروع کر دی۔

اب تم خود وقت ضائع کر رہی ہو۔

جار ہی ہوں..... ذرا فارغ جوں۔ پھر ایک دم وہ ایک

سرد آہ بھر کر بولی۔

کم بخت بنائے کس کی نظر کھا گئی مانی بی بی کو اچھا سجلا گھر
دیران ہو کر رہ گیا۔

تمہاری ہی نظر پھر پہاڑ ہے جہن نے ٹکڑا لگایا۔

اپنی آنکھیں آئینے میں دیکھو جا کر۔ جیسے کسی سہنگی کی ہوتی
ہیں۔

کیوں جھوٹ بولے ہے..... کبھی تو خود ہی اس فلمی

بیرو کیا نام لیا تھا تو نے اس کا..... ہاں یاد آیا..... وحید مراد

جیسی میری آنکھیں ہیں اور تو تھی کہ دیکھ دیکھ کر مری جا رہی تھی۔

گلبدن نے ہاں سامنے بتایا۔ اور اسے کھا جانے والی نظروں سے

دیکھتے ہوئے بولی۔

صحت دیکھی ہے کبھی آئینے میں..... وہ جل ہی تو گئی۔

کیا اب تمہیں دیر نہیں ہو رہی۔ تو نے مانی بی بی کا دودھ

ڈاکٹر آصف بڑے تحمل سے برداشت کئے جا رہے تھے

اتنی دیر..... وہ پہلی بار گھر کی ملا زمین پر چڑھ دوڑے
تھے۔ گلاب کا چہرہ سیلا پڑ گیا۔ بجائے جواب دینے کے وہ سر جھکا کر
کھڑی ہو گئی۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا بعدھ کا گلاس بری طرح مڑ رہا تھا۔

بے بس اور مجبور تھے۔

مانی نے کھانا پینا چھوڑ رکھا تھا۔ اس کی بھوک
سرچکی تھی۔ کوئی شے بھی اس کے حلق سے نیچے نہیں اترتی تھی۔ بس
دودھ ہی تھا جس پر اس کا گزارا ہوا تھا۔ مانی کو چپ سادہ
آج گیا۔ ہواں دن تھا۔

یہ بات بھی نہیں تھی کہ اسکی زبان بند ہو گئی تھی۔ بس
اس نے چپ سادہ لی تھی۔ نہ کچھ کھانا پینا امداد ہی کسی سے
پوچھتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے باپ سے یوں بے اعتنائی باتی تھی جیسے
مانی کی موجودہ حالت کے ذمہ دار وہی ہوں۔

ڈاکٹر آصف کی حالت قابل دیدہ تھی۔ وہ اکثر خود بھی بھوکے
رہتے۔

ابنہ مانی کو بلاناغہ رات آٹھ بجے وہ کھڑکوں کی بوتلی نروں لگا
دیتے تھے۔ تاکہ جسمانی توانائی برقرار رہے۔ مانی بھی حیل و حجت نہیں
کرتی تھی۔ ڈاکٹر آصف بہت ہار گئے تھے۔ ایک ہی تو بیٹی تھی جو
ہاتھ سے نکلی بارہی تھی۔

زندگی میں اس قدر وہ بے عزت ہوئے تھے کہ آج تک بھی
ایسے مقام پر نہیں پہنچے تھے۔ ایک بیٹی کی خاطر وہ اس خود پسند اور

نفرت انگیز لڑکی کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

مگر انہوں نے بڑی طرز شکست کھائی تھی۔ مادر شکست
خودہ سے ہو کر واپس چلے آئے تھے۔

انہوں نے آکر بیٹی کو اپنی شکست کے بارے میں اور
اپنی بے بسی کے بارے میں بتایا تھا۔

مانی نے سب کچھ نہایت خاموشی سے سنا۔ اس کے چہرے
پر کرب کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ آنکھیں کھڑکی گئی تھیں
اور۔۔۔ دوا سنوا سکی پلوں پر لرز کر خساروں پر۔۔۔ لگے تھے۔

ڈاکٹر آصف کا دل پھٹ گیا تھا۔ انہوں نے اس وقت دونوں
ہاتھوں کے حصار میں بیٹی کے رخساروں کو لے کر دبایا تھا اور گنتی ہی دیر
تک اس پر جھکے ان رخساروں پر رہے ہوئے آنسوؤں کو دیکھتے رہے تھے
کس قدر جان لیوا منظر تھا وہ۔ بیٹی نے سب کچھ کراہیں
بند کر لی تھیں۔

اور باپ یوں تڑپ کر رہ گیا تھا جیسے کسی نے انہیں ذبح
کر ڈالا ہو۔

پھر دن گزرتے چلے گئے تھے۔

مگر مانی کی عادت میں ذرا بھر بھی فرق نہ نما سز نہیں ہوا تھا

وہ دن بدن اپنی موت کھرتی جا رہی تھی۔

داسیہ روزانہ اُسے دیکھنے آرہی تھی گھنٹوں اُس کے پاس رہتی۔۔۔۔۔ خاموش۔۔۔۔۔ خاموش۔۔۔۔۔ اس کی طرف دیکھتی رہتی۔ اس کی حالت بڑی دگرگوں تھی۔ مگر ڈاکٹر کیا کر سکتے تھے۔

اس وقت جب مانی نے گلاس خالی کر کے واپس دیا تو ڈاکٹر اٹھ کھڑے ہوئے۔
اگر تم نے اپنی حالت بدلی۔ تو یقین کرو مانی تم سے پہلے ہم مرجائیں گے۔

مانی نے اشتباہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

باپ کی محبت کو آواز مار ہی ہو گا ان کے ضبط کو آواز دے رہی ہو۔ کوئی بات نہیں۔ ہم تمہیں دکھادیں گے کہ ایک باپ اپنی بیٹی سے کس قدر محبت کر سکتا ہے۔ تم سمجھتی ہو کہ ہم پتھر ہیں پگھل نہیں سکتے تو باپ ہیں سکتے۔ بس سکنا نہیں جانتے۔ مگر یہ تمہاری سبوں سے ہم..... اب بہت تنگ گئے ہیں۔۔۔۔۔ مانی..... تم نے تو ایک پتھر سے سر ٹکرایا اور ہمیں ذلت کی پیتوں میں گرادیا۔ اس زخم کو بھی ہم برداشت کر گئے۔.....

ہم نے جب اپنا دامن پھیلایا ہمارے لئے محبت کی بھینک مانگی تو اُس نے ہمیں اس دامن میں نفرت کا زہر ڈال دیا۔

ہم نے ہاتھ بٹڑے تو ہمیں دھتکار دیا۔ اور..... اور..... ان کی آواز بھرا گئی۔
وہ کہہ رہے تھے۔

اور ہم ایک ایسی عورت کے ہاتھ میں ذلیل ہو گئے جس سے ہمیں بے پناہ نفرت تھی۔.....
مگر ہم نے صرف تمہارے لئے اُسکے سامنے اپنے آپ کو بھجکا دیا.....

لیکن اس کے باوجود بھی ہم زندہ ہیں۔ اور وہ صرف تمہارے لئے۔ اور.....

مانی نے ان کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی رخ پھیر لیا کیا ہم سے نفرت کرتی ہو۔ ڈاکٹر اٹھ پوری جان سے تڑپ کر بولے۔

مانی نے کوئی جواب نہ دیا۔

ڈاکٹر آصف بے ساختہ روپڑے آج وہ پہلی بار اس طرح

ایک باپ کو اُس نے تڑپتے سسکتے بھی دیکھا تھا اور باپ کو بیٹی کی منت سماجت کرتے اور گڑاڑا سنے بھی دیکھا تھا۔

اور.....

آج اُس نے اُس باپ کو یوں روتے دیکھا تھا جیسے اس کو پورا چین بھڑ گیا ہو۔ پورے گلشن کو آگ لگ گئی ہو۔ وہ بھاگ اٹھی تھی اور اس بھاگنے کے انداز میں تڑپ تھی سسکتی تھی سرکشی اور افادت تھی۔

دل چھوڑ کر اور کھل کر روئے تھے۔

ایک انسان بہت ہار گیا تھا۔ ضبط اور صبر کے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔

اُس نے دلوں ہاتھوں سے اپنا پہرہ چھپا لیا۔

اور مانی یوں تڑپ رہی تھی جیسے باپ کے آنسوؤں کی حدت سے پگھلے جا رہی ہو۔ اُس کا لرزتا ہوا ہاتھ لگے پڑھا اور باپ کے ہاتھ پر اگر رک گیا۔ ڈاکٹر آمنت۔ نے تڑپ کر اُس کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ اُسے بوسہ دے کر آنکھوں سے لگا چکے تھے۔

واسیر جو کافی دیر سے ضبط کیے یہ سب کچھ دیکھے جا رہی تھی اپنے ہونٹوں سے نکلنے والی بے ساختہ قسم کی سسکتی کونہ روک سکی۔ اُس نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور پھر باہر نکلتی چلی گئی۔ وہ بھاگ رہی تھی..... مسلسل..... بہت ہی تیز رفتاری سے آج باپ بیٹی کی حالت پر اس کا دل بھی پھٹ گیا غاگیا وہ دن کا ضبط آج وہ کھو بیٹھی تھی.....

وہ ہر روز باپ بیٹی کے سننے نے انداز دیکھتی رہتی تھی ایک باپ کی مجبوری اور بے بسی کو ہر لمحے دیکھتی رہتی تھی۔

پھر اس کے چونکنے کا انداز بھی بے ساختہ پن لئے ہوئے تھا۔
 دروازے کے پٹ سے ٹیک لگائے واسیہ کھڑی تھی۔
 مگر اس وقت اسے واسیہ وہ واسیہ نظر نہیں آرہی تھی۔
 بڑا عجیب انداز تھا اس کے دیکھنے کا۔۔۔۔۔
 تم کب آئیں۔۔۔۔۔ واسیہ اسکی حالت کو نظر انداز نہ کرتے ہوئے
 استفسار کر بیٹھی۔

واسیہ خاموش رہی۔

کیا بات ہے۔۔۔۔۔ بے بی۔۔۔۔۔ "آسیہ اپنے لیے میں وزن
 پیدا کرتے ہوئے بولی

پھر بھی جب واسیہ نہ بول تو آسیہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی کہ
 اسکی بہن کی آنکھوں میں نفرت کی لہریں ٹوٹ رہی ہیں۔ اور خود اس
 کی طرف دیکھنے کا اس کا انداز بڑا جارحانہ ہے۔

آسیہ کے ذہن کو ایک شدید قسم کے جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا
 اس نے بڑی حیرت سے واسیہ کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔ اور بغور دیکھا۔ ہر
 زاویے اور ہر انداز سے دیکھا۔ مگر وہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی کہ ایک
 بہن کے لئے چھوٹی بہن سراپا نفرت میں ڈھل چکی ہے۔

بے بی۔۔۔۔۔ "آسیہ اسے تیز نظروں سے گور کر بولی۔

آسیہ

آخر کو ایک غوت ہی تو تھی۔

پھر کیسے ممکن تھا کہ دل میں چہن کا احساس تک پیدا نہ ہوتا
 واسیہ ہر روز مانی کے بارے میں اسے آکر بتاتی رہتی تھی۔ ایک طرح
 سے پوری رپورٹ دینا اس کے فرائض میں شامل تھا۔
 آسیہ بہن کی باتوں کو اکثر سوچتی تھی کہ یہ مانی کیا واقعی اس
 سے اس قدر محبت کرتی ہے کہ جان دینے پر تل جائے۔
 یہ لکھ ام سوال تھا جیسے کئی بار وہ سوچ چکی تھی مگر دل تھا
 کہ اس منطق کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

اس وقت بھی وہ اپنے گہرے میں بیٹھی مانی کے بارے میں
 سوچے جا رہی تھی کہ اچانک اسکی نظر دروازے کی طرف اٹھ گئی۔

تھنے سے رخسار پر بڑے زور سے تھپڑ پڑا تھا۔ جسے
 واسیہ جیسی کمزور بچی برداشت نہ کر سکی مارد وہ اپنی پیشانی
 قریب کی دیوار سے ٹکرا بیٹھی..... جلد بھٹ گئی تھی۔
 اور خون کی لہریں نکل کر اس کے چہرے پر کئی لکیریں کھینچ
 گئی تھیں۔

آسیہ کا بوکھلا جانا قدرتی امر تھا۔ مگر یہ بھی تو کتنی عجیب
 بات تھی کہ چھوٹی بہن..... اور وہ بھی بہت چھوٹی جس کی عمر صرف
 گیارہ بارہ سال رہی ہو اسے اس قدر غلیظ گالی دے دے۔

اس سے پہلے کہ آسیہ بہن کو پکڑ کر سنبھالتی وہ ٹوہی
 سیدھی ہو گئی اور بہن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

جس قدر چاہیں آپ ماہیٹ لیں خواہ میرے جسم کا ایک
 ایک ریشہ تک کیوں نہ الگ کر دیں مگر میرے دل میں پیدا ہو جانے
 والی نفرت کو آپ ختم نہیں کر سکتیں۔

آ..... آخر بات کیا ہے؟ آسیہ بنجانے کیوں اس بار
 اس کے بچے سے نفوس سی ہو گئی۔

بات.... آسیہ ہونٹوں سے خون صاف کرتے ہوئے
 بولی۔ بات یہ کہ آپ نے میری دوست کا خون کر دیا ہے۔

واسیہ پھر بھی اپنی ہنڈ سے لٹس سے منس نہ ہوئی۔ البتہ
 اتنا ضرور برا کہ اس نے اپنی نظروں کا زاویہ بدل دیا تھا۔ اب وہ
 بجائے آسیہ کی طرف دیکھنے کے سامنے قدم آدم الہامی کے
 اوپر رکھتے ہوئے آسیہ کی تصویر کے فریم پر مرکوز ہو گئی تھیں
 بہت ہی نفرت انگیز انداز تھا جس سے آسیہ یوں جل
 اٹھی تھی جیسے اس کے دھوپر الگادوں کی بارش شروع کر دی ہو۔
 بھئی..... آسیہ ایک دم چلنے پڑی۔

اس قدر زور سے مت چلا بیٹے میں بہن ہی نہیں ہوں؟
 واسیہ ہونٹ سکڑ کر بولی۔

کیا بکرا اس کر رہی ہو؟ ہوش میں تو ہو آسیہ اپنی
 چھوٹی بہن کے منہ سے ایسے کلمات سن کر آگ بگولہ ہو گئی۔

ہوش تو اب ہی آیا ہے بد نصیبی ہے میری کہ آپ جیسی سستی
 کو مجھے باجی کہنا پڑتا ہے۔

کیا بکرتی ہو..... آسیہ اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑی
 ہو گئی۔ اور چہرہ الگادوں کی طرح دھک اٹھا تھا۔ وہ بڑی تیز
 رفتاری سے واسیہ کے قریب پہنچی تھی۔ اور پھر اس کا اٹھا ہوا ہاتھ
 کمرے کی فٹا میں زبردستی گرنے پیدا کر گیا۔

سنگ کیا وہ مر گئی آسیرہ بچائے کیوں اور
کس جذبے کے تحت لڑکھڑائی ۔

سہیں مری تو مر جائیگی ۔ کچھ سالیں باقی رہ گئی ہیں ۔ واسیرہ
کا انداز گو کہ بے حد زہریلا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس کے انداز میں
رودینے کا عنصر موجود تھا ۔

آخر تم لوگ پاگل کیوں ہو گئے ہو ۔ ہمارا اس سے واسطہ
کیا ہے ؟

میں سہیں جانتی ۔ کچھ سہیں جانتی ۔ بس اتنا سن لیجئے کہ اگر
مافی مر گئی تو میں بھی صرف آپ کی وجہ سے ان بلند بالا دیواروں سے
بہرہ بکرا کر جان دے دیدوں گی ۔

آخر کیوں ؟ آسیرہ اسے گھور کر بولی ۔

آپ میری دوست کی قاتل بننے والی ہیں ۔

کیا بکواس ہے ۔

ہو ہو سکتا ہے آپکی نظروں میں کسی انسانی زندگی کی

کوئی وقعت نہ ہو لیکن میرے دل میں درد کا سمندر موجزن ہے
میں کسی کو روتے دیکھ لوں تو دل تڑپ اٹھتا ہے کوئی مر رہا ہو
تو اس کے ساتھ مر جانے کو دل چاہتا ہے کسی کو کاٹھا چھو جائے تو

اپنے دل میں اس کا درد محسوس کرتی ہوں ۔
مگر آپ عورت کا نرم و نازک دل دیکھتے ہوئے
بھی پتھر دل ہیں ۔

آپ کے سینے میں دل کی جگہ کوئی ایسی چٹان رکھی ہوئی ہے
جسے کوئی پھلانگ نہیں سکتا ۔

بے بی

آسیرہ باجی ایک لڑکی کی چاہت کا ذرو اندازہ
کہہ دیجئے کہ اُس نے آپ کو کس انداز سے چاہا ۔ آپ نے رخ
مورنا تو اس نے جان دینے کی قسم کھالی ۔

ایک معصوم بچی نے جو آپکی بہن واسیرہ سے کسی
طرح بھی کم سہیں تھی ۔ آپ سے محبت کے پھول دامن
میں بھرنے چاہے مگر آپ نے اُس دامن میں موت
کی سیاہی ڈال دی ۔ اس نے آپ کے پیلوں میں لیٹ
کہ حسین خواب دیکھنے چاہے مگر آپ نے اس کے تمام
خوابوں کی افشاں کو آگ لگا دی ۔

خدا کی قسم باجی کس قدر کھڑ بے رحم

اور محضیل ہیں آپ ۹ ۔

بے بی اسیہ کا پورا وجود لہہ کر رہ گیا۔

واسیہ جو اسیہ کا تھپڑ لگنے سے اپنا منہ بھی زخمی کر چکی تھی۔ خون قالین پر تھوکتے ہوئے بڑے بڑے کہ بناک انداز میں بولی۔

اس سے پہلے کہ مانی دم توڑ دے میں آپ سے اپنا ہر رشتہ توڑ لیتا چاہتی ہوں۔ تاکہ میری دوست میری وقار پر مسکرا سکے۔

اس سے پہلے کہ میری دوستی اور محبت کا بھرم ٹوٹ جائے میں آپ سے اپنا ہر رشتہ توڑ لیتا چاہتی ہوں۔

آخری جملہ ادا کرتے ہوئے واسیہ نے بڑی بے رحمی سے ہڈیوں کو چبا ڈالا۔ اُس کا چہرہ پیشانی کی جلد پھٹ جانے کی وجہ سے خون سے تر ہو رہا تھا۔

اے بی اسیہ کہتے کی حالت میں یوں بڑبڑاتی جیسے اپنے ہوش کھوتی جا رہی ہو۔

آج سے میں آپ کے لئے غیر ہوں۔ جارہی ہوں وہاں جہاں باپ بیٹی کی حالت پر زار زار رہا ہے۔ اس کی بے بسی اور غمخواری مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔

ابنیں اپنے گلشن کے اجڑے مکا بڑا غم ہے۔ وہ دیواروں

سے اپنا سر ٹکراتے پھر رہے ہیں۔ وہ کئی بار اپنی بیٹی سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ چکے ہیں۔ مگر نہ تو آپ کو ان پر ترس آیا اور نہ ہی اس محبت کی پیاسی لڑکی کو جوان کے چمن کا واحد پھول ہے۔

یہ خون آلود چہرہ لے کر ہم اب وہاں جائیں گے۔ اُس باپ کے پاس جائیں گے۔ جسے ہم جیسی ایک اور مانی کی ضرورت ہے۔ بے بی اسیہ دونوں ہاتھوں سے سر خنک کر کر سی پگ لگ گئی۔

خدا حافظ باجی اگر تنہا یوں میں جل جاؤ اور کبھی آپ کو ہماری یاد آئے تو ہمارے اس گھر میں آنا۔ یہ دل اس قدر بے رحم نہیں کہ بھیک میں آپ کو پیار بھی نہ دے سکے۔

تو نے یہ باتیں کہاں سے سیکھ لی ہیں۔ بے بی اسیہ زبردستی انہیں کھینچ کر لے کر بولی۔

یوں معلوم ہوا جیسے اس کے پورے وجود کو بارود سے لٹا دیا ہو۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے موائے اندیزہ کے اور کچھ نہ ہو۔

خدا حافظ واسیہ نے ٹکھڑائی ہوئی زبان میں کہا

اور کمرے سے نکل گئی۔

بے..... بی..... آسیہ کی چیخ بڑی بھیاںک
تھی جس سے پوری کونٹھی گونج کر رہ گئی۔
وآسیہ جو خود بن مال کی پچی تھی پاگلوں کی طرح ہنگامے سے
بھاگتے ہوئے نکل گئی۔

بڑی عجیب حالت تھی اس کی پیشانی پھٹ جانے سے پورا
چہرہ خون آلود اور شہر الجور ہو رہا تھا۔
وہ را بگروں کی لگا ہوں کا مرکز بنی بھاگے جا رہی تھی۔
اور.....

دوسری طرف.....

آسیہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندازے کی طرف دیکھ جا رہی

تھی۔.....

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ وقتی طور پر اپنی بینائی کھو
بیٹھی ہو۔ اس نے اندھوں کی مانند آگے کی طرف ہاتھ بڑھا کر اٹھنا
چاہا۔

مگر اس کے ہاتھ صرف خلا میں جھول کر رہ گئے تھے۔

اور وہ بے سہارا ہو کر پھر کمرے پر گر گئی۔

بالآخر اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔
وقت تیزی سے گزرتا چلا گیا۔

اور آسیہ آہستہ آہستہ نابل ہوتی چلی گئی۔
اسے داسیہ کا رویہ یاد آیا۔

اس کا خون آلود چہرہ..... اور وہ تھپڑ..... جو
اُس نے کتنی بے دردی سے اُس کے سینے سے رخسار پر مارا تھا۔
ایک طرف اسکی پیشانی پھٹی تھی اور دوسرے لمحے اس کا ہنٹ
پھٹ گیا تھا۔ اب اس کا لہو نہان چہرہ آسیہ کی لگا ہوں میں
بھیر رہا تھا۔

کتنی بے دلی سے وہ اپنی بہن کو تھکا کر چلی گئی تھی۔
گنہگاروں.....

بڑا اہم سوال تھا۔

میں نے سوچا۔

صرف ایک مانی کی خرابی۔

مانی..... آسیہ نے کہنا کہ انداز میں کر سی پر سیدھا

بدلا۔ وہ مانی جس نے اس سے پیار کی بیشک مانگی تھی۔

اور.....

یکلخت اس کے ذہن میں چنگھاڑ سی پھوٹ پڑی۔ مانی کے الفاظ بارود بن کر ایک دھماکے کے ساتھ پھٹے تھے۔
ہم سے زیادہ چاہتے والا آپ کو اس دنیا میں اند کوئی نہیں ہوگا۔

آسیہ کا پورا وجود جھنجھنا کر رہ گیا۔
ابھی اس دھماکے کا اثر ٹوٹنے بھی نہ پایا تھا کہ اسکی نظروں کے سامنے واسیہ کا سراپا آکھڑا ہوا۔

بد نصیبی ہے میری کہ آپ میری باجی ہیں.....
آپ بہت ہی بے رحم۔ کھٹور۔ اند بخیل ہیں پلجی۔
میرے دوست کی آپ قاتل ہیں۔
آپ قاتل ہیں۔

قاتل ہیں۔
ہر طرف سے اس کے ذہن میں دھماکے ہی دھماکے ہو رہے تھے۔

جن کے درمیان آسیہ پورے وجود سے لڑ رہی تھی
یکلخت اس نے دونوں ہاتھوں سے زور سے کنپٹیوں
دبائیں.....“

جب اسے پیار نہ ملا تو اس نے حیاں دینے کی قسم کھالی۔

اور
آج اس کی اپنی بہن۔ ایک لاڈلی بیسن..... جو اُسے
بے حد عزیز تھی جس کی ہر ادا اسے پسند اور مقدم تھی۔ بری طرح
دھکا کر چلی گئی۔

آسیہ سوچے جا رہی تھی
اسے ڈاکٹر آسف یاد آگئے۔
جنہوں نے ہاتھ جوڑ کر اپنی بیٹی کی زندگی کی اس سے تھیک
مانگی تھی۔

دار اور مغرورالتن یاد آیا جس نے ہوسپتال
میں اسے بے عزت کیا تھا۔

اور وہ معصوم لڑکی یاد آگئی..... جس نے کہا تھا۔
جس طرح ہم نے آپ کو چاہا ہے اس دنیا میں آپ کو
کوئی نہیں چاہ سکتا۔

اگر آپ نے ہمیں گلے نہ لگایا تو ہم جان وید بیٹھے۔
آخر یہ سب کیا تھا.....؟
وہ کس بھڑے میں پھنس گئی۔

ادریوں پھر سچرائی جیسے ذبح ہونے سے بچا چاہتی ہو۔
 پھر اکیدم وہ تن کرکھڑی ہو گئی۔
 اس کا پر اور وجود تن گیا تھا۔
 جیسے وہ کوئی ناقابلِ تسخیر چٹان ہو۔
 وہ جیتنے ایسے انداز میں بڑبڑائی۔

سہیں..... ہم شکست تسلیم نہیں کریں گے۔
 یہ دونوں بچیاں ہمیں شکست سہیں دے سکتیں۔
 سہیں دے سکتیں۔ وہ اپنے آپ کو سہارا دیتے ہوئے
 بڑبڑائی.....

لیکن اس کی جسمانی طاقت آہستہ آہستہ سلب ہوتی
 جا رہی تھی۔ وہ ہلکھڑا کر مسہری کی طرف بڑھی اور اس پر اوندھے
 منہ جا پڑی۔

اس کے ہونٹوں سے نکلنے والا جملہ دردِ عالم میں ڈوبا ہوا تھا۔
 وہ کہہ رہی تھی۔

بے بی..... واپس لوٹ آؤ.....

.....

ایکے آؤ رکشہ راحت منزل کے پھاٹک پر آکر کاناٹھا
 اترنے والی واسیہ تھی۔
 جو خون آلود چہرہ لیے لڑکھڑاتے قدموں سے اندر براہِ مہج
 کی طرف بڑھ رہی تھی۔

سب سے پہلے اس پر نظر گاہل کی پڑی تھی جو کسی طرح
 بھی اپنی چیخِ نرودک سکی تھی۔

اس کی چیخ سن کر ڈاکٹر آصف کمرے سے باہر نکل آئے
 تھے۔ اب ان کی نظر جو واسیہ پر پڑی تو بیتاب سے ہر کمرے کی
 طرف لپکتے۔

کیا ہوا؟ یہ چوٹ کیسے آئی تھیں۔

اپنا ہی خون ہے۔ اپنی دوست مائی کے محبت کی راہ پر

نقدانہ دیا ہے۔

ڈاکٹر آصف نے بڑی مضبوطی سے ہونٹ پہ ہونٹ جملے
تھے۔ پھر اُس سے مزید استفسار کے بغیر اُسے اپنے کمرے میں
لائے۔ واسیہ کو کرسی پر بٹھا کر پیشانی کا زخم دیکھا۔ گلبین گرم
پانی لے آئی تھی جس سے انہوں نے پیشانی کے زخم اور
پہرے سے خون صاف کیا تھا۔ پھر دوائی لگا کر انہوں نے ڈسینک
کروا۔۔۔۔۔

گلبین جو قریب ہی کھڑی ڈاکٹر آصف کا ہاتھ پٹا رہی تھی وہ
اس کی طرف دیکھ کر بولے۔

جاؤ۔۔۔۔۔ جاؤ ایک گلاس میں گرم گرم دودھ لے آؤ
گلبین تیزی سے باہر نکل گئی۔

ڈاکٹر آصف سگریٹ سلگا کر اس کے سامنے ہی آرام
کر سی پر بیٹھ گئے۔

اب بتاؤ۔۔۔ کیا بات ہوئی۔

میں اپنا گھر چھوڑ آئی ہوں۔

کیا۔۔۔۔۔

گھر چھوڑ آئی ہوں۔۔۔۔۔ وہ گھر جس میں جلاور رہتے

ہیں۔۔۔۔۔ جہاں پیار کر لے والے دلوں پر الگاموں کی
بارش کی جاتی ہے۔

ہاں میں اس گھر کو چھوڑ آئی ہوں جہاں انسانوں کی بجائے
پتھر رہتے ہیں۔

بے بی کیا کہہ رہی ہو۔

میرا۔۔۔۔۔ نام بھی مانی ہے۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ مجھے
بھی پیار۔ کیجئے واسیہ ایک دم رو پڑی۔۔۔۔۔

ڈاکٹر آصف نے بڑی بے دردی سے اپنے ہونٹوں کو
چبا ڈالا۔

انہوں نے بڑے کر بناک انداز میں واسیہ کی طرف
دیکھا اور بولے۔

ہم نہیں جانتے کہ تم کیا کر آئی ہو۔ مگر یہ گھر مانی
کا ہے اور تم بھی مانی بننا چاہتی ہو۔ ایک ہی مانی نے اتنے
زخم دیئے ہیں کہ ہم موت کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں
اب تم مانی بن کر ہمیں کس امتحان میں ڈالنا چاہتی ہو۔
مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ مانی نہیں بن سکتی تو اب اس کی

دو موت سمجھ کر ہی پتہ دیکھئے۔ میں آپ کو کبھی کوئی دکھ

بہنیں پہنچا دل لگی
آخر تم نے اپنا گھر کیوں چھوڑ دیا۔

اپنی باجی کو ایک زخم دیا ہے۔

اُسے بتایا ہے کہ محبت کسے کہتے ہیں۔۔۔۔۔

اُسی نے جس انداز سے مائی کا دل توڑا ہے میں نے

مجھ اسی انداز سے بہنیں شکرا دیا ہے۔ واسیہ بڑی کرب
نماک آواز میں بولی۔

پھر واسیہ کسی خیال کے تحت بدلتی رہتی بولی۔

آپ مائی سے اس قسم کا ذکر مت کیجئے گا۔

ڈاکٹر آصف ات بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھ

رہے تھے۔

اتنے میں کہہ رہی تھی کہ اس نے کیا گئی

و بیکھو گلبدن ہماری یہ بیٹی بھی نہیں پھر ہا کرے گی

تم مائی کے ساتھ والے گھر نہ رہنا صرف اردو۔

جی۔۔۔۔۔ بہت۔۔۔۔۔ بہت۔۔۔۔۔ گلبدن نے ادب سے

جواب دیا۔

واسیہ نے درد، ہڈی کر گئیں گلبدن کو دیدیا

اور اکٹھے ہوئے بولی

میں اب مائی کے کمرے میں جاؤں گی۔

بہنیں آیام کی ضرورت ہے بیٹی۔

اس گھر میں رہنے والے کسی بھی فرد کو آیام کی ضرورت

نہیں۔ واسیہ مصو میوت سے بولی۔ اور دروازے کی
طرف بڑھ گئی۔

ڈاکٹر آصف بڑی عجیب سی نظروں سے مائی سے

کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

مجبوراً مانی کی تمام کہانی سنانی پڑی تھی۔

ہوسپٹل میں بھی ڈاکٹر زبیری اور ڈاکٹر فرخندہ ہر وقت مانی کی صحت یابی کے لیے نئے طریقے سوچتے رہتے تھے مگر ابھی تک وہ کوئی طریقہ کار منتخب نہیں کر پائے تھے۔

ادھر نیگلے میں واسیہ ادارہ ردھوں کی مانند گھومتی رہتی تھی۔ وہ مانی کی طویل خاموشی پر ہر وقت تڑپتی رہتی تھی۔ اس وقت وہ مانی کے سامنے کمری ڈالے بیٹھی ہوئی تھی۔

جب اُس نے مانی کی بنا بہ سنگین خاموشی سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو واسیہ آہستہ سے بولی۔
تم سوچتی ہو گی کہ میں دن رات تمہیں یہاں کیوں نظر آتی ہوں ضرور سوچتی ہو گی۔ مسئلہ ختم کر کے اس نے مانی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

پھر اُسے یوں محسوس ہوا جیسے مانی اُس سے استفسار کر رہی ہو کہ بتاؤ آخر یہ ساجرا کیا ہے۔
واسیہ ہلکے سے مسکراتی جیسے وہ مانی کی آنکھوں کی جان

راحت سے منزل میں موت ایسا سکوت چھایا ہوا تھا۔
ہر سویرانی ہی دیرانی اور ستارے طے کا راج تھا۔

واسیہ کو راحت منزل میں رہتے ہوئے اٹھواں دن

تھا۔

وہ بڑے محسوس کا ثبوت دے رہی تھی۔

مانی کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔

ڈاکٹر آصف یوں خاموش تھے جیسے ازل سے ہی گونگے

بہرے پیدا ہوئے ہوں۔

واسیہ کے بار بار اصرار کرنے پر ڈاکٹر آصف ہوسپٹل

جانے لگے تھے۔ وہاں بھی جا کر وہ سارا سا دن اپنے آنس

میں بند رہتے۔ فرخندہ کے بار بار استفسار کرنے پر انہیں

سمجھ گئی ہو۔

وہ آواز میں پیار کی مٹھاس بھر کر بولی۔

آج سے آٹھ دن پہلے میں نے اپنا کھر چھوڑ دیا بہتیں
حیرت ہو گئی۔ لیکن میں مجبور تھی۔ کیونکہ باجی نے آپ کی زندگی چینی
تھی۔ اور وہ بے تحاشہ مجھے بھی چاہتی تھیں لہذا اس لئے میں نے
اسہیں بڑی ہر می سے شکر ادا کیا۔

میں نے سوچا کہ جس طرح مانی تڑپ رہی ہے اسی طرح
آپ بھی ایک بہن کی محبت کو ترسیں۔ ہم نے اسہیں بہت کچھ کہا
یہاں تک کہ گالیاں دینے سے بھی دریغ نہ کیا۔ جس پر انہوں نے
مجھے مارا۔۔۔ اور میری یہ پیشانی پھٹ گئی۔

تم میری دوست ہو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس باری
کو جیتنے کے لئے تم نے جان کی بازی لگا دی۔۔۔ ہم تیسرے
رہ جاتے۔

بہنیں مانی ہم ایک ساتھ مرنے کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔
دو ایک ساتھ رہنے کیلئے زندہ رہیں گی۔ تم سمجھتی ہو دعا تمہاری
میں ہے۔ محبت کرنا تم ہی جانتی ہو۔ بہنیں۔۔۔ بھول جاؤ۔
ہم تم سے دو قدم آگے ہی رہیں گے۔ تم نے اگر موت

کی دہلیز پر قدم رکھا تو خدا کی قسم ہم بھی زندہ نہیں رہیں
گے۔ سمجھیں تم۔۔۔۔۔

مانی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی جسے واسیہ نے
بھانپ لیا۔۔۔۔۔ وہ ہلکے سے مسکرا دی۔ مانی کی آنکھیں بھی
مسکرا رہی تھیں۔

واسیہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس پر جھک کر سرگوشیاں
انداز میں بولی۔

ہم دونوں کے مقدر ایک ہی ہیں۔ راستہ بھی ایک ہے
پھر کیوں نہ ایک دوسرے سے دل کی بات کہہ لیں۔ ہمارے کان
میں چپکے سے کہہ دو کہ واسیہ کی وفا زندہ باد۔۔۔۔۔

مانی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

واسیہ بھی جواباً مسکرا کر پھر مزید سرگوشیاں انداز میں بولی۔

کان میں چپکے سے کہہ دو۔۔۔۔۔ کوئی نہیں سنے گا۔

یوں ہونٹوں کو تالہ مت لگاؤ۔ ورنہ میں روٹھ جاؤں گی۔

مانی نے اپنا کمزور سا ہاتھ اوپر اٹھایا اور بہت ہی ہلکے سے
اس کے رخسار پر چپٹ لگائی۔

اللہ۔۔۔ یہاں تک تو پہنچے۔ واسیہ آنکھیں بند کر کے

دل کی گبرائیوں سے مسکرائی۔

مانی نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔

اے..... اے..... آنکھیں کھولو..... مہینیں
چلے گی۔ میں ڈاکٹر صاحب مہینیں ہوں۔ ویسے تم نے مہینیں بہت
تنگ کر رکھا ہے۔ خدا کی قسم کہ میں تمہارا باپ ہوتی تو تمہارا گلا خود
ٹھونٹ دیتی۔

مانی نے اسے گھور کر دیکھا۔

یہ اور بھی پسند ہے۔ واسیہ گنگتائی۔

گلابدن آنکھیں پھاڑے دروازے میں کھڑی دلوں کو
دیکھے جا رہی تھی۔

اچانک مانی کی نظر اس پر پڑی گئی۔ واسیہ نے بھی اس کی
نظروں کے تعاقب میں گھوم کر دیکھا اور گلابدن کو یوں کھڑے پا کر بولی۔
کیوں آپ کو کیا تکلیف ہے۔

مالک کا ٹیلی فون ہے۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔

ہم..... واسیہ جلدی سے دروازے کی طرف
بڑھتی چلی گئی۔

ٹیلی فون دوسرے کمرے میں تھا۔ اور یہ کمرہ خود ڈاکٹر آصف

کا تھا۔

رسیور تپائی پر رکھا ہوا تھا جیسے اسٹاکر واسیہ نے کان سے
لگا لیا۔

میں واسیہ بول رہی ہوں ابو..... واسیہ چپک کر بولی۔
بہت خوش نظر آرہی ہو۔ کیا بات ہے۔ دوسری طرف
سے ڈاکٹر آصف چہنکے بغیر نہ رہ سکے۔

یہ دو سہیلیوں کی بات ہے آپ سے بتائی نہیں جاسکتی
نک..... کیا..... ڈاکٹر آصف کا دل نہ جانے کیوں
خوشی کے جذبے سے دھڑک اٹھا۔

آپ نے کیوں یاد فرمایا تھا۔
مانی کیسی ہے.....؟

جلد ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ کا ٹیلی فون آنے سے قبل
ہم دونوں کے درمیان کسی اہم بات پر سمجھوتہ ہو رہا تھا۔ مگر آپ
نے گھبرا کر دیا۔

کیا ہم سمجھ لیں کہ ہماری بیٹی..... ڈاکٹر آصف جملہ
ادھورا چھوڑ کر غاموش ہو گئے۔

نی الحال کچھ نہیں بتایا جاسکتا۔

ہم آجائیں ۔

آپ کی ضرورت نہیں واسیہ مسکرائی ۔

اچھا نہیں آئیں گے ۔

شکریہ کھانے پر تو آپ آرہے ہیں ۔

نہیں اسی لیے ٹیلی فون کیا تھا ۔

اور کچھ ۔

کیا بہت جلدی میں ہو واسیہ !

جی ہاں !

اچھا خدا حافظ دوسری طرف سے

رشیبور رٹ دیا گیا ۔

اور واسیہ جلدی سے کمرے سے باہر نکل آئی ۔

جناب کے ابو آج کھانا نہیں کھائیں گے واسیہ

اندر داخل ہوتے ہوئے بولی ۔

مانی کی آنکھوں میں استغفار تھا جیسے معلوم کرنا چاہتی ہو

کہ آخر کیوں ؟

واسیہ پھر جلدی سے بولی ۔

انہوں نے بتایا نہیں اور ہاں مگر آگے

وہ رک گئی ۔ گلبدن پر نظر جا پڑی تھی ۔

جناب چوروں کی طرح کمرے میں داخل کیوں ہوتی ہیں واسیہ

گلبدن پر پڑھ دوڑی ۔

گلبدن مسکرائی ۔

خیریت خیریت محترمہ گلبدن ۔ واسیہ

اسے گھور کر بولی ۔

مانی بی بی کیسی ہیں ؟

تمہاری زبان پر کپڑے چل رہے ہیں خود معلوم کر لو

واسیہ اسکی آنکھوں میں مشکوک پرچھائیں رقص کرتی دیکھ کر برا

سامنے بنا کر بولی ۔

گلبدن جلدی سے آگے بڑھی اور قریب پہنچ کر بولی ۔

مانی بی بی کیسی ہیں آپ ؟

مانی نے مسکرا کر سر کو ہلکی سی جنبش دی ۔

خدا یا تیرا شکریہ ہے ۔

چل اب بھاگ ویدہ جن بھی دھرے ہوں گے یہاں ...

بی بی جی گلبدن نے احتجاج کیا ۔

ارے چل بھاگ واسیہ نے آنکھیں

لکھا میں.....“
اس گھر میں کوئی بہت بڑا گھپلا ہو رہا ہے۔ گلبدن
بڑ بڑاتی۔

کیا گھپلا ہو رہا ہے واسیہ غرا کر بولی۔

مجھے کیا معلوم
کیا تو ہوش میں ہے

معلوم نہیں

کیا پٹنے کا ارادہ ہے واسیہ اُسے تیز نظروں سے گھور کر بولی
گلبدن نے برا سامنے بنایا۔ اور جب سر جھٹک کر جانے لگی تو
واسیہ بولی۔ اب اگر تم چوروں کی طرح یہاں داخل ہوئیں تو تمہاری
ایک آدھ ٹانگ ضرور توڑ دوں گی۔

گلبدن تیزی سے کمرے سے باہر نکال گئی۔

اور واسیہ مانی کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

دیکھا تم نے اس کمبخت کو.....“

مانی نے ہلکے سے مسکرائی۔

خدا کی قسم سنہارا یہ بار بار مسکراتا کہیں میری جان نہ لے لے

واسیہ پیار سے بولی۔

دوسری طرف گلبدن جہنہ کو کہہ رہی تھی۔
جہنہ جی ایک بات سنو۔ یہ جو مانی بی بی ہیں نا۔ بیسار
وہ سار کچھ بھی نہیں..... بچانے یہاں کیا ہو رہا ہے۔
کیا سوتے سے اٹھ کر آئی ہو۔
کیا مطلب.....؟ تو کیا جھوٹا سمجھتا ہے مجھ کو۔
تم نے بات ہی ایسی کی ہے۔
ٹھیک کی ہے۔

اچھا..... اچھا..... پیچھا چھوڑو۔

کیا کہہ..... پیچھا چھوڑ دوں۔ کیا تیرا اتنی جلدی دل
بھر گیا۔ پہلے تو کہتے تھے کہ گلبدن تیرے لئے سونے کا محل
بنواؤں گا۔

اور وہ بھی سبزی سے پیسے چرا چرا کر مرغیاں خرید کر
اس میں سے پیسے کاٹ کاٹ کر اور.....“

یہ سب شادی سے پہلے کی باتیں تھیں۔

کیوں اب کیا ہوا.....؟

قریب آکر معلوم ہوا کہ وہ مدد ہی اچھا تھا کم از کم تو اچھی تو
لگتی تھی.....“

کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

..... اگر یہی حال رہا تو ایک دن تنگ آکر تجھے پاگل

خانے ضرور داخل کرنا پڑے گا۔

کیا میں اتنی ہی بُری ہوں تو شادی کیوں کی بھتی؟
میں بے کب کی تھی وہ تو مانی بی بی نے زبردستی تجھے میرے

سر منڈھ دیا تھا۔

خدا کی قسم سر بھاڑ دمل گی۔

اب اتنی طاقت ور بھی نہیں ہو۔

کیا کہا.....؟

جو تم نے سنا..... جہن مسکرایا۔

ہوں تو یہ بات ہے.....؟

کیا بات ہے؟

مجھے تنگ کرنا چاہتے ہو۔

تم کوئی ایسی شے تو ہو نہیں کہ تمہیں خواہ مخواہ تنگ کرنے
کے لیے وقت ضائع کیا جائے۔

مجھے ابھی طلاق دینا..... اب نہیں رہوں گی۔

تمہارے ساتھ گلبدن پھر گئی۔

مانی بی بی سے کہو.....

نکاح تمہارے کیا ہے یا مانی بی بی نے۔

معلوم نہیں.....؟

بابا کو بلاؤں۔

اُس بڑے غریب کو کیوں گھسیٹ رہی ہو آپس کے

معاملے میں.....

تم میرے بابا کو بوڑھا کہہ رہے ہو۔

بہنیں ابھی تو جوان ہوں گے گانا اُسی نے تو گایا تھا۔

بجھاس بند کر دے یا بہنیں۔

بہنیں.....

آخر تم چاہتے کیا ہو؟

میری..... خدمت..... کیا کر دو۔

کیا..... مطلب؟

خاوند بننے کی بجائے مجھے خاوند تسلیم کرو۔

تیرا تو دماغ خراب ہے۔ گلبدن جھلا کر بولی۔

جس دن تو نے محبت کرنا سیکھ لیا اُس دن سے میں

تیرا غلام.....

تو کیا میں تمہارے سر پر لٹو مارتی رہتی ہوں۔
ہاتھ پٹے..... جہن مسکرایا۔

اچھا..... کوئی بات نہیں مالک سے شکایت
کروں گی.....

جہنم میں جاز۔

مہتیں ساتھ لے کر جاؤں گی۔

یا اللہ..... اس عذت سے مجھے بچا۔ جو رات کو کچھ

اور دن کو کچھ اور ہوتی ہے۔

گلابدن نے اُسے تیز نظروں سے گھور کر دیکھا۔

اور مہن نے ایک زوردار ہتھ لگایا۔ پھر وہ ہنستا ہوا

چلا گیا۔

اچانک سے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اور گلابدن کمرے
کے سامنے سے گزرتے گزرتے رک گئی پھر وہ کمرے ہی لمحے
وہ اندر تھی۔

ہالو..... کون.....؟ گلابدن اپنے مخصوص انداز میں
بولی.....

کیا واسیہ گھر میں ہے۔ دوسری طرف سے ایک مترنم آواز
گلابدن کے کانوں میں رسی گول گئی۔

ہاں.....
آپ کون ہو.....؟
ملازمہ گلابدن.....

جاؤ..... واسیہ کو ملکہ زور دے دو۔

دوسری طرف سے دُعا دار آواز میں کہا گیا۔

جی بہت اچھا... گلبدن نے رسیور پتائی پر رکھ دیا
اور سبھاگتے ہوئے مانی کے کمرے میں داخل ہوئی۔ واسیہ وہیں
موجود تھی۔

آپ کا بیٹی زن ہے۔

ابوہوں گے... میں ابھی آئی مانی... واسیہ
تیزی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

گلبدن شاید اسے بتانا چاہتی تھی کہ کوئی عورت ہے لیکن
واسیہ اس کی طرف توجہ دینے بجائے تیزی سے نکلتی چلی گئی۔
اور گلبدن کندھے جھٹک کر رہ گئی اس نے ایک نظر
مانی پر ڈالی اور اپنے پاؤں واپس نکل گئی۔

واسیہ نے رسیور اٹھا کر کال سے لگایا اور بولی۔

فرمائیے میں واسیہ بول رہی ہوں۔

کیسی ہو...، دوسری طرف سے سسکتی ہوئی آواز

میں استفسار کیا گیا۔

واسیہ کے ذہن کو ایک شدید جھٹکے سے دوچار ہونا

پڑا۔ وہ بڑی تیزی سے اپنے آپ کو سینہال گئی اور آہستہ سے بولی۔

آپ کیسی ہیں؟

ابھی زندہ ہیں۔

میں بھی زندہ ہوں۔ کہئے کیسے یاد فرمایا

پورا گھڑیراں ہو گیا۔

آپ کے ہوتے ہوئے بھی۔ واسیہ نہ ہرے سہجے میں بولی۔

ہمارے ہاں ایک گلاب کا پھول تھا۔ دوسری طرف سے

کراہ کر کہا گیا۔

کیا ہوا...؟ آسے...؟

چوری ہو گیا...؟

کیسے...؟

کتنی چرا کر لے گیا۔

بڑا ستم ظریف تھا وہ چور۔

کچھ مدد کرو...؟

کیا...؟

چور کو تلاش کرو۔

آپ نے اور کچھ کہتا ہے۔ یکایت واسیہ کا لہجہ بدل

گیا...؟

بے بی..... تڑپتی ہوئی آواز ابھری۔

”.... حیب آپ سے ہر رشتہ توڑا جا چکا ہے تو آپ نے ٹیلیفون کرنے کی زحمت کیوں گوارہ کی۔

خونی رشتے بہنیں لٹا کر تے۔

لیکن میرے خیال میں خون سے زیادہ محبت کے رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔

کیا بہت زیادہ ناراض ہو..... جانتی ہو اب تو کس قدر خفا ہو رہے ہیں۔

آپ فکر نہ کریں یہ میرا اور ابو کا ذاتی معاملہ ہے ضرورت پڑی تو اسے بھی توڑ دوں گی۔

بے بی.....“

آپ کے لیے مریچکی ہے۔ آپ آئندہ اس نام سے ہمیں مت پکاریں۔

بے بی..... دوسری طرف سے اُسیہ شاید رو پڑی تھی۔

میرے گلاب ایسے نرم و نازک رخساروں پر اب بھی آگ برس رہی ہے میری پیشانی کا زخم ابھی تک رہا

رہا ہے۔ اور مجھے آپ سے شدید نفرت ہے.....
شدید نفرت.....“

بے بی..... اُسیہ پوری جان سے تڑپا اٹھی
واسیہ نے بڑی بے بسی سے چونٹ چبا ڈالے۔ اور
رزدتے ہوئے ہاتھوں سے رسیور کرڈال پر ڈال دیا۔
اور.....“

خود دل پر ہاتھ رکھ کر وہیں قریب کی کسی پرگ لگی کیونکہ اس
کے دل میں درد سا اٹھا تھا۔

بہن کو آج دوسری بار اس نے اس قدر پرے انداز میں
دھتکارا تھا کہ وہ خود تڑپ کر رہ گئی۔

حالانکہ وہ جانتی تھی کہ وہ اسکی باجی ہے۔ جان سے
بھی زیادہ پیار کی۔ اور عزیز۔ مگر کیا کرتی۔ اُسے مجبوراً یہ ڈرامہ
ایکٹ کرنا پڑا تھا۔

اس کا اپنا دل ہر وقت اُسیہ کو دیکھنے کیلئے تڑپتا
رہتا تھا۔

مگر ایک طرف مانی جیسی لڑکی کی زندگی تھی جس کو
اس نے سہارا دے رکھا تھا۔

کوشش کی۔

مگر..... رہاں کیا تھا۔ وہ چہرہ تو بالکل سپاٹ
تھا۔ ہر قسم کے جذبات و تاثرات سے یکسر عاری۔
واسیہ نے ایک بار پھر غور اسکی طرف دیکھا۔ مگر وہاں
کوئی رنگ نہیں تھا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے وہ کچھ اندازہ
لگا سکتی۔

مانی..... آسیہ رزقی ہوئی آواز میں بولی۔
مگر مانی نے نہایت خاموشی سے آنکھیں بند کر لیں
مم..... مانی..... واسیہ تڑپ اٹھی۔
دوسرے ہی لمحے مانی نے کر دٹے بل کر گہری گہری
سالتیں لینا شروع کر دیں۔
تت..... تو کیا میں نے کوئی غلطی کی ہے
اسیہ گڑبڑا کر بولی۔

مانی خاموش تھی.....
خدا کے لئے آج تو کچھ بول پڑو۔ میں آنکھوں کی زبان
اتنی نہیں سمجھتی کہ تمہاری ہر ادا کو جان جاؤں۔
آپ کا ٹیلی فون ہے گلبدن نے باہر سے ہی ہانک لگائی

اور.....

ایک طرف باپ کا دل تھا جس کا سہارا بن گئی تھی۔
کافی رینٹ تک وہ بے دم سی دل پر ہاتھ رکھے کسی پر گہرے
لمبے لمبے سانس لیتی رہی۔ پھر اس خیال سے اٹھ کھڑی ہوئی کہ
مانی اس پر کسی قسم کا شک نہ کرے آخر اس کو کیا بتاؤنگی۔
رکس کا ٹیلی فون تھا۔

کہیں گلبدن نے اسے بتا نہ دیا ہو کہ کسی عورت یا لڑکی
کا ٹیلی فون تھا۔

واسیہ خیالات میں کوئی ہوئی اور ڈگر گاتے ہوئے قاریں
سے مانی کے کمرے میں داخل ہوئی۔
مانی نے نہایت سنگین خاموشی سے اسکی طرف دیکھا
واسیہ جلدی سے بولی۔

باجی آسیہ تمہیں بری طرح تڑپ رہی ہیں۔ ہم نے کہہ دیا
کہ خون کا رشتہ سے محبت کا رشتہ زیادہ پاکیزہ مقدس اور
مقبوط ہوتا ہے اس لئے آئندہ ٹیلی فون کرنے کی نہ صحت
مت کیجئے۔ واسیہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی پھر
اس نے مانی کے چہرے کی طرف دیکھا اور اسے پڑھنے کی

وہ اندر داخل نہیں ہوئی تھی۔

والسہ نے رزقی ہوئی لگا ہوں سے دروازے کی طرف
دیکھد پھر دنگر گاتے ہوئے قدموں سے ٹیلیفون کے کمرے میں آئی۔
کون ہے..... یہ وہ یوں بولی جیسے اس کا دم گھٹ رہا
ہو.....

مائی کیسی ہے؟..... دوسری طرف سے پھر ایک
ہوئی آواز بھری۔

اُپ سے مطلب.....؟ والسہ ایک دم چیخ پڑی۔ اور
ساتھ ہی رسیور پوری قوت سے گریڈل پر دے مارا۔

یہ دوسرا جھٹکا تھا۔

اس کی قوت برداشت جواب دے گئی۔

ذہن میں بہن کی محبت طوفان بن کر اٹھی۔

دن پھٹ پھٹا اٹھا۔ بس ایک ہی آرزو تھی کہ سہاگ جاؤ

یہاں سے۔

اگر تمہاری تخت کلامی سے یہ حالت ہے تو اس دل پر کیا

گذری ہوگی جس کو تو نے یہ سب کچھ کہا۔

اللہ..... والسہ کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا۔

اور وہ بے دم سی ہو کر کہی پر گر گئی۔
دل تھا کہ بیٹھے جا رہا تھا۔

اور ذہن جیسے لیٹے جا رہا ہو.....

اسیہ جو اسکی ایسی بہن تھی جس نے ماں بن کر اس
کو پرورش کیا تھا۔ بیک وقت بہن اور ماں کا پیار دیا تھا۔
اور آج اس بہن کو اسی نے جذبات میں آکر ٹھکرا
دیا تھا۔

کیا یہ انصاف تھا۔

اور کیا یہی اس کا بدل تھا۔

ایک بار پھر اس نے اللہ کو پکارا اور کراہ کر آنکھیں بند
کر لیں

ایک طرف محبت۔

اور دوسری طرف خوں..... اور خون کا رشتہ۔

تراژڈی ایک اور ذرہ برابر۔

وہ کیا کرے۔

بڑے عجیب دور اسے پر قدرت نے لا پھینکا تھا
لگو۔ مائی کا ساتھ دے تو خون کے رشتے پر آ پانے۔

محبت اور دل کو کچلے تو وفا بدنام ہوگی۔ دوستی کا تقدس
رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

کس کا بھرم رکھے اور کس کو داغدار کرے۔
آخر صبر اور ضبط کا بند ٹوٹ گیا یا تسوٹیلوں پر لڑ کر خوار
پرسیدہ نکلے۔

اب وہ اس حالت میں مانی کے سامنے بھی نہیں
جاسکتی تھی۔

وہ بھی تو روٹھ گئی تھی۔ سجانے کیوں؟
کیا اس لئے کہ اس نے ایک بہن کا دل ٹوڑا تھا۔ اس
سے شدید نفرت کا احساس دلایا تھا کیا مانی نہیں
چاہتی تھی کہ میں ایسا کر دوں۔

کیا اُسے میری یہ حرکت گراں گزری۔
یہی بات ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔ داسی سوچے چلے جارتی
تھی۔۔۔۔۔“

ذہن نے پھر غوطہ لگایا اور وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہو گئی
کہ۔۔۔۔۔ مانی جو کہ باجی آسیہ سے بے پناہ محبت کرتی
ہے جس کے لئے اُس نے جان دینے کی قسم کھا لی

تھی اور زبان بندی کی یہ حد ہے کہ سوکھ کر کاٹا ہوئی جبار ہی تھی۔ آسیہ
کی تو بین برواشت نہ کر سکی اور خود مجھ سے روٹھ گئی۔

یا اللہ کیا کر دوں۔ داسیہ لڑتی ہوئی آواز میں بڑبڑائی۔ آسنو تھ
کو رکھنے کا ناامک نہیں لے رہے تھے۔ اور وقت تھا کہ گزے۔ بے چلا جا
رہا تھا۔

مانی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ مگر وہ اس حالت میں اس کے سامنے
نہیں جانا چاہتی تھی۔۔۔۔۔ لاکھ دل کو سنبھال رہی تھی مگر وہ سنبھل
نہیں رہا تھا۔

پھر کیا ایک اس نے فیصلہ کیا۔ ذہن ایک بار پھر تپاٹھا۔ اس کو اس
نے پھر مسل ڈالا۔ اور ہر دھڑکن کو زبردستی دیا۔

نہیں۔۔۔۔۔ مجھے اپنے پہلے فیصلے پر قائم رہنا چاہیے۔ برکت
کہ باجی کو میری کھسک جہاں تک کھینچ لائے۔

اب مانی تک وہ چلی پئیے۔۔۔۔۔

پھر ہر طرف بہا رہا بہار ہو گئی۔

ہاں مجھے یہ جوا کیلنا ہی ہوگا۔ اپنے دل کے ہر تقاضے کو ملانا
ہوگا۔ ہر جذبہ کو کچلنا ہوگا۔ اور دفعتی طور پر بر فونی رشتے کو توڑ دینا ہوگا۔
اسی میں میری حیات ہے۔

ورنہ مانی مرجائے گی

ایک باغ اجڑ جائے گا۔

اور ایک باپ بے موت مرجائے گا۔

اس نے اپنے دل کو سہارا دیا۔ اور اپنے آپ کو مضبوط کرتے ہوئے
اٹھ کھڑی ہوئی مایہ نے سوچ لیا کہ اب مانی کو کچھ نہیں بتائے گی اور اپنی آنکھ
سے ایک آنسو تک گرنے نہیں دے گی۔

یہ ایک اہم فیصلہ تھا۔ جو ایک جھوٹی پکی نے کیا تھا۔

نتیجے سے ذہن میں ایک ایک بات آئی تھی۔ اور وہ تن کر کھڑی ہو چکی
تھی اپنے اس خوشک لسنے اور ایک نئے ارادے اور نئے دلوں سے وہ دروازے
کی طرف بڑھی۔

قدموں میں اب لڑش باتی نہیں تھی۔

ایک غم تھا جو اس کے ذہنی نقوش پر ابھریں لے رہا تھا۔

مانی کے کمرے کے کپڑے پہنے وہ ایک ناقابلِ تخیر چٹان بن چکی تھی۔

سوریشام ہی آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے آج جمع ہوئے تھے
اور موسم بے حد سرد ہو گیا تھا۔ کیونکہ ہوا بے حد سرد تھی۔ جس نے پورے شہر کو برت
میں پیٹ کر رکھ دیا تھا۔

دس بجے رات کو ہی بادلوں نے گرجنا شروع کر دیا تھا اور پھر سیاہ
آسمان کا بیٹہ تن ہو گیا تھا۔ اتنا بڑا شگلات پڑا کہ کالوں پڑی آواز تک سنائی
نہیں دے رہی تھی۔

بڑے زور کی بارش تھی۔

مگر آٹھ دو گھنٹوں صبح سے ہی آپس میں جھگڑے ہوئے تھے۔
گلابدن کا چہرہ غبارے کی طرح پھولا ہوا تھا۔ لڑتے جھگڑاتے تو
وہ ہر وقت رہتے تھے۔ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بچانے جن کو اسے چڑانے میں کیا

مزد ملتا تھا کہ وہ اسے ہر وقت چھڑتا ہی رہتا تھا۔

یا پھر سو سکتا ہے کہ محبت کا یہ بھی کوئی اندازہ رہا ہو۔

حالانکہ وہ اسے دل و جان سے چاہتا تھا اور گلبدن بھی بھی مانتا تھا۔
کافی تو بصورت، بھرا بھرا جسم قیامت تھا۔

اس وقت جبکہ انہیں بارش نے ادھوا کر رکھا تھا۔

دونوں اپنے اپنے لہروں میں سکرٹے پڑے تھے۔

دونوں جاگ رہے تھے۔ جسم کو گرما بانی دینے کے لئے لٹاں بھی کم

پڑ رہے تھے اور پھر تم یہ کہ دونوں ایک دوسرے سے روٹے ہوئے تھے۔

حالانکہ گلبدن بچل کی جھمک اور بادل کی گھن گرج سے بے حد خوفزدہ

تھی۔ وہ اس معاملے میں بڑی ڈرپوک واقع ہوئی تھی۔ مگر مرنے کیلئے کرتی۔

سوال آن کا تھا۔ وہ خود عین کو بلائے میں پہل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کافی دیر سے

صنط کئے ہوئے تھی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد دونوں ایک دوسرے

کو دیکھ لیتے تھے۔ اور پھر لگا ہی بدل لیتے تھے۔

کافی دیر سے یہ سلسلہ جاری تھا۔

اس بار جو بادل زور سے گجھا اور کہیں بجلی گئی تو گلبدن جو پہلے

بی خوفزدہ تھی۔ اپنی بے ساختہ قسم کی چیخ کو نہ روک سکی۔ بلکہ ایک دم سے

اچھل پڑی۔ جیسے چھت ہی تو اس پر آگئی ہو۔ اس کے منہ سے بے ساختہ

نکلا تھا۔

ہائے..... اللہ.....

کیوں چلا رہی ہو۔ جن جو خود بھی مخاطب کرنے کے لئے کافی

دیر سے بتیاب تھا۔ موقح غنیمت جان کر اسے گھور کر بولا۔

اندھے ہو کیا۔۔۔۔۔ دیکھ نہیں رہے کہ میں ڈر گئی ہوں۔

گلبدن لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

اور مٹی بڑی نہیں مار خال ہو۔ جن نے حسب عادت یہ مارک

پاس کیا۔

دیکھ اس وقت جھکڑے کی بات مت کرنا۔

میں نے تو ایک بات کہی ہے۔ اس پیارے موسم میں جھکڑے

لگا کون کافر۔

پیارے موسم..... گلبدن جھٹکا کر بولی۔ کیا یہ موسم

بڑا پیارا لگ رہا ہے کہ نہیں۔

تمہاری طرح بزدل ڈرپوک تھوڑی ہوں۔

ارے میں عورت ہوں۔

اچھا مجھے آج معلوم ہوا۔

دیکھ جن اس وقت بات مت بڑھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ بچلی

اور بادلوں کی گھن گرنے سے بہت ڈرتی ہوں۔

پھر میں کیا کروں۔

بس چپ رہوں۔

زبان میری اپنی ہے مجھے کیا تکلیف ہے۔

اگر بات پکھائی تو اللہ قسم بابائے کو اڑیں چلی جاؤں گی۔

دھولس کیوں دے رہی ہو۔ ذرا باہر نکل کر تو دیکھو سنا

ہے کہ کالی چیزوں پر بجلی گرتی ہے۔ اے پھر تیرے بال تو لوے کی سیاہی

کی طرح سیاہ ہیں۔

اے خدا کی مار تجھ پر۔

کوس لے... کوس لے جتنا دل چاہے۔ مگر تو باہر نکل

کہ تو دیکھو۔

جمن.....! گلبدن کے انداز میں بے چارگی تھی۔

فرمائیے۔.....! جمن اگر مل کر بولا۔

مت جھک کر... وہ عاجزی سے بولی

کیا تو بہت زیادہ ڈر رہی ہے۔

ہاں بہت زیادہ۔

تو پھر ایک کام کر۔

کیا.....؟

میرے بستر میں آجا۔ مجھے سردی بھی نہیں لگے گی اور ڈر بھی نہیں لگے گا۔

گلبدن کا دل تو پہلے ہی یہی چاہ رہا تھا۔ مگر سوال تو عزت کا تھا۔ کیونکہ بیچ لڑتے وقت دونوں میں یہی فیصلہ ہوا تھا کہ پہل کون کرنا ہے۔ مگر اب مجبوری تھی۔ مگر اس کے باوجود بھی گلبدن شکست تسلیم کرنا نہیں چاہتی تھی۔ لہذا وہ برا سامنے بنا کر بولی۔

تیرا مطلب ہے پہل کر کے ہار مان لوں.....؟

مجبوری ہے میں نے تو ایک مشورہ دیا تھا۔ نہیں مانتی تو جہنم میں جا.....! اتنا کہہ کر جمن نے رخ دوسری طرف پھیر لیا۔

گلبدن اپنی بگڑی طرح پھر پھڑائی چند لمحے تو اسے گھورتی رہی۔ پھر بالآخر منہ بسورتی ہوئی بولی۔

جمن.....! تو آجا۔

نہیں..... مجھے کوئی ضرورت نہیں مجھ پر بجلی نہیں گرے گی۔

دیکھ مجھے خوفزدہ مت کر۔" گلبدن چیخ کر بولی۔

اچھا چیخو نہیں۔ جیسے ضرورت ہو گی آجائے گا۔ جمن نے گویا

اسے دھمکی دی۔

کوئی خاندان ایسا نہیں ہوتا.... گلبدن رو دینے والے
انداز میں بولی۔

کیا مطلب.... وہ اسکی طرف دیکھے بغیر بولے۔
اے میں ڈرتی ہوں تو کیسا خاندان ہے۔ گلبدن پھر چیخ کر بولی
کلن مت کھار۔ سوئے دو۔

اللہ.... تو سوتے سے اٹھ ہی نہ....

”بدو عامت دے جوانی میں بیوہ ہو جائے گی پھر خاوند دوسرا
ملے گا سبھی کوئی نہیں اس بار مانی بی بی رحم نہیں کھائے گی۔ سمجھیں“
گلبدن کچھ کہنے ہی والی تھی کہ بادل پھر زور سے کجا۔
اے تیرا ستیاناس گلبدن اچھل کر کھڑی ہو گئی۔
بادل پھر جنگھارا۔ اور محترمہ گلبدن تڑپ کے ساتھ جین کی
چار پائی پر۔

اے کیا چار پائی توڑے گی۔

لیکن گلبدن جواب وہاں تک آبی گئی تھی پھر جلدی سے اپنے
لئے جگہ بناتے ہوئے لحاف میں گھس گئی۔

ذرا آرام سے میرے اوپر موت چڑھ۔ سنگل پسلی کا آدمی

ہوں....

سس.... سردی بھی تو بہت ہے۔ گلبدن کے دانت
بنج اٹھے۔

اگر پہلے ہی آمري ہوتی تو کیا شان کھٹ جاتی۔
گلبدن نے جواب دینے کی بجائے دانت پر دانت جھائے
اور سمٹ سمٹا کر جین کے ساتھ لگ کر لیٹ گئی۔
کیا بستر میں گھستے ہی گونگی ہو گئی ہے۔
اب کون سا وقت ہے بک بک کرنے کا؟ گلبدن آہستہ
سے بولی۔

بارگئیں نا.... دیکھ اب موت لڑتا اور نہ اکرنا سمجھیں
صبح بات کرنا....

وہ تو ہیں جانتا ہوں کہ دن کے اجاڑے میں تو گرگٹ
کی طرح رنگ بدل لیتی ہے۔

اچھا اب خاموش رہو۔

بڑا چھو سا ہوں اس وقت کہتیں....
خدا کے لئے خاموش رہو۔

اب آہی مری ہو تو کوئی بات کر دے یہ خاموشی اچھی بات نہیں
گلبدن چھنے بولی۔ جن بھی خاموش ہو گیا تھا۔ کچھ وقت کے بعد

گلابن بہت سے لڑی۔

تو بڑا گرم ہو رہا ہے۔ میرا بہتر تو بہت ٹھنڈا تھا۔
خون کی بات ہے۔۔۔۔۔ جہن ہلے سے مسکرایا۔
چوری لی مرغیاں کھا کھا کر خون نہیں بنے گا تو کیا۔۔۔۔۔
آہستہ۔۔۔۔۔ آہستہ۔۔۔۔۔ بادل گرجا اٹھیں گے چوری
سکا نام مدت سے۔

اچھا باور چچی وہی ہے جو ہڈیا سے صاف ستھری اور زور
دار شے نکال کر خود کھائے۔

گلابن نے اپنے آپ کو تھوڑا سا پھلایا۔

اے۔۔۔۔۔ اے۔۔۔۔۔ سبغلو۔۔۔۔۔ دھت تیرے

کی۔۔۔۔۔ جہن بڑبڑاتا رہ گیا۔

باہر بارش کچھ اور زور پکڑ چکی تھی اور گلابن کی چارپائی
پر پڑا لٹا اکیلے میں پڑا برت ہو رہا تھا۔

صاف صاف کی حالت بہت زیادہ خراب ہو چکی تھی۔ اُسے
دیکھنے کے بعد کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ لڑکی بچے جائے گی۔
آنکھوں کی چمک مائل پڑ چکی تھی۔ سفید سفید اور زردی مائل
آنکھیں۔ رخسار جہاں سے ہر وقت سفیدی پھوٹی رہتی تھی بے رونق ہو
چکے تھے آنکھیں اندر کو دھنس گئیں تھیں۔ ہونٹ جیسے ان کا تمام
رہس پور ڈھل گیا ہو۔ وہ سوکھ سوکھ کر مر رہے تھے۔
ڈاکٹر زبیری نے بڑے دکھ کے ساتھ ڈاکٹر آصف سے کہہ دیا
تھا کہ اگر چاہو تو ڈاکٹر بخاری کو دکھا دو۔

مگر ڈاکٹر آصف نے انکار میں ہر دیا تھا۔ اور مرلی سے
بچے میں لوبے تھے۔ میری بچی کے لیے اب کوئی ڈاکٹر کوئی دوا اثر نہیں
کر سکتی۔

بات یہیں ختم ہو گئی تھی۔ اور ڈاکٹر اصف اس کی زندگی سے قطعی مایوس ہو گئے تھے۔ کافی دنوں سے انہوں نے بھی کھانا پینا چھوڑ رکھا تھا۔ خود ان کی اپنی حالت بھی بہت گر گئی تھی۔ بہت کم کھانا کھاتے تھے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ بارہ بارہ کھنے ان کے حلق سے کچھ نہیں اترتا تھا۔

آج وہ اپنی بیگم کی تصویر کے سامنے بیٹھ کر دل کھول کر روئے تھے۔ اس قدر روئے تھے کہ اب ان کی آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں رہا تھا۔ تین گھنٹے تک وہ کمرے میں بند رہے تھے۔ اور جب وہ باہر نکلے تو سیدھے مانی کے کمرے میں آئے۔ چلتے وقت یوں محسوس ہوتا کہ جیسے برسوں کے مرہین ہوں۔ اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے مانی کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔

آج پورا ایک ماہ ہو رہا تھا۔ اس کو زبان بند کئے ہوئے۔ ڈاکٹر اصف آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گئے۔

وایہ بھی ایک طرف موجود تھی۔ اس کا چہرہ بھی متماسک تھا۔ آنکھوں میں زندگی کی ہمتیں جم ہی گئیں تھیں۔ شاید وہ خود

بھی بازی ہار چکی تھی۔ وہ مانی کی زندگی سے مایوس ہو چکی تھی۔ اچانک ڈاکٹر اصف زندگی ہوئی آواز میں بولے۔
ہم — جانتے ہیں۔۔۔۔۔ کہ تو مر جائے گی۔۔۔۔۔
تنت۔۔۔۔۔ تو موت کی دہلیز پر قدم رکھ چکی ہے۔ مگر۔۔۔۔۔
کیا۔۔۔۔۔ تو ہمیں ایک بار بھی ابوکہ کہہ کر اب نہیں پکارے گی۔۔۔۔۔

کس قدر درد تھا اور تڑپ تھی ڈاکٹر اصف کی آواز میں۔
کتنی بے بسی تھی ان کے انداز میں جیسے مایوسوں کا اٹھا ہوا گہرائیوں میں اتر گئے ہوں۔

دور بیٹھی ہوئی ماسیہ کی باپ کے منہ سے یہ جملہ سن کر جیسے جسم سے جان ہی نکل گئی ہو۔ وہ بری طرح اپنی جگہ پھر پھر پارہ ہی تھی۔

ادھر مانی نے دھیرے دھیرے پردے کے غلاف کو آنکھوں سے اٹھایا تھا۔ اور پھر زندگی و آنکھوں سے باپ کی طرف دیکھا۔

پکارو۔۔۔۔۔ ڈاکٹر اصف پھر بولے۔

ہمیں ایک بار۔۔۔۔۔ صرف ایک بار ابوکہ کہہ کر پکار لو۔ کان
نہیں گئے ہیں۔ اس ایک لفظ کو سننے پر آج ابوکہ کراہنے لگے۔

بے بسی کی انتہا تھی۔ جو تڑپ رہی تھی۔
 واسیہ نے اپنے لڑتے ہوئے ہاتھ سے ڈاکٹر آصف
 کا شانہ ایک بار پھر ہلکے سے دیا۔
 واسیہ..... ہٹ جاؤ..... ڈاکٹر آصف چیخ
 سے پڑے۔

ایسا کون تھا جو دروازے پر دستک نہ ہوتی۔ دونوں چونک پڑے
ڈاکٹر آصف نے بڑی کمرنگ نظروں سے دروازے کی
طرف دیکھا۔

اور واسیہ لڑکھڑاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔
 لفظوں میں پڑے ہوئے پردے میں ہلکی سی لرزش تھی۔
 جیسے ہی واسیہ نے پردہ سرکایا سامنے کھڑی ہستی
 پنکگاہ پڑی۔ تو مزید لڑکھڑا گئی۔

کک..... کون ہو تم؟ واسیہ تڑپ کر بولی۔
ایک..... سبکداری..... بسکتی ہوئی آٹا بھری
یا آسیہ تھی۔

خوردہ دانے کے ساتھ دیوار کی ٹیک لگائے بکھڑی تھی۔ اترا

ہوا زرد چہرہ۔ زرد آنکھیں اور گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح کمرے
ہوئے چہرے کے نقوش۔

یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی قبر سے اٹھ کر چلی آرہی ہو۔
کیا چاہتی ہو۔ واسیہ بے بسی سے ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔
پیار..... آسیہ سسک کر بولی۔
یہاں تو سارا کارواں لٹ چکا ہے۔ یہاں اب کچھ نہیں....
جائیے کسی اور کارواں کھٹکھٹا پیئے..... ہمارے دامنوں میں
اب کچھ نہیں۔

بے بی..... ہم دامن پھیلانے ہوئے ہیں۔ آسیہ
کی آواز میں کچھ ایسی تڑپ نمایاں تھی کہ ڈاکٹر آصف اور مانی جو خود دروازے
کی طرف متوجہ تھے۔ اور سب کچھ سن رہے تھے۔ اور دیکھ رہے تھے۔
ان کے چہروں پر بڑے عجیب سے رنگ تھے۔
واسیہ جواب گہری گہری سالنوں کے درمیان دروازے
کے پٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر چکی تھی۔ آہستہ سے بولی۔
”ہمارا دامن خالی ہے۔ چلی جائیے۔“

بہت جلد..... بے بی..... یہ دل دلوں کا مزار
ہے۔ پھولوں کے چڑھاوے لیکر آنے والوں میں اچھے بے کی تمیز نہیں

کی جاتی۔ تم راستے سے مٹ جاؤ۔..... ڈاکٹر آصف کی اندر مکرے
سے مرلی سی آواز ابھری.....

واسیہ بڑھ کر ایک طرف ہو گئی۔

اور آسیہ جب اندر داخل ہوئی تو اس کے قدم لڑکھڑا رہے
تھے۔ ڈاکٹر آصف نے ایک بار بھی اسکی طرف نہیں دیکھا تھا۔
آسیہ یہی مانی کے قریب پہنچی تھی۔ اور اس پر جھکے
ہوئے اس کے دونوں رخساروں کو اپنے حصار میں سے لیا تھا۔
بب..... بیٹی..... آسیہ کی آواز سینکڑوں
ظرفانوں کی لرزش تھی۔

مانی جو پلک جھپکاتے بغیر اسکی طرف دیکھ جا رہی تھی۔
پتھر کی طرح یک بیک بے حس ہو گئی۔
مم..... معاف کر دو..... بیٹی..... آسیہ
پھر بولی۔

مگر بجائے کیوں وہ ٹھہرے ٹھہرے لڑکھڑا گئی تھی۔
اس نے اپنے لیے مانی کی نظروں میں نفرت کا سیلاب دیکھا
تھا۔ اور آسیہ کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔
اجاب تک مانی کے ہونٹ لرزے۔ لیکن آواز نہ نکل سکی۔

وہ بری طرح کپکپا رہے تھے۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ پھر یک بیک اس کے ہونٹوں سے آواز نکلی۔

خالی ہاتھ آتی ہیں آپ..... ہماری تربت پر چڑھنے کے لئے کچھ پھول تو لے آئی ہوتیں۔

بب..... بیٹی..... آسیہ پوری جان سے تڑپ اٹھی واسیر سچ کہتی تھی کہ آپ بڑی بخیل ہیں۔ اتنا کہتے ہی مانی نے بڑے کریناک انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔

ڈاکٹر آصف کا چہرہ مانی کے یوں بول پڑنے پر خوشی سے سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ اور یہی حال واسیر کا تھا۔ لیکن وہ دونوں خاموش تھے۔ شاید وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت، دونوں کے درمیان حائل ہوں۔

آسیہ نے سکک کر اپنے آپ کو مانی کی مسبری پر گرادیا۔ وہ کہنیوں کے بل مراٹھائے مانی کی طوت دیکھے جا رہی تھی۔ اور مانی آنکھیں بند کئے یوں گہری گہری سانسیں لے رہی تھی جیسے اسکی سانس اکٹھ رہی ہو۔

وہ آنکھیں بند کیے کیئے پھر بولی۔

ہم.... جانتے تھے کہ آپ خود رائیں گی۔ مباری محبت

ہماری پرستش کسی بھکاری کا پھیلا ہوا امن تو نہیں تھا کہ جھک دیا جاتا۔ مگر آپ بہت دیر سے آئیں۔ نہ آئیں تو اچھا تھا۔ آپ کی خودمدی جبروج نہ ہوتی۔ اور ہم دونوں جیت جاتیں۔

مگر..... اب..... آپ ہار گئیں۔ اور..... اور..... ہم جیت گئے۔ لیکن یہ کیسی جیت ہے کہ ہم موت کے دروازے پر پہنچے ہیں۔ یہ..... بازی..... ہمیں بہت ہنگامی پڑی ہے۔ بہت ہنگامی..... اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ سانسیں تیز تر چلنے لگیں۔ جیسے وہ ہانپ گئی تھی۔

آسیہ نے اپنے ہونٹ مانی کے زرد اور مرلی ہونٹوں پر رکھ دیئے..... یہ ایک طویل بوسہ تھا۔

آسیہ اپراٹھی..... ہونٹ جدا ہوئے۔ کس قدر دالہانہ انداز تھا۔ مانی نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں اور اسی لمحے آسیہ بولی۔

ایک بوسہ تم نے لیا تھا..... اور آج ایک پیار ہم نے دیا ہے۔ آج کے بعد تم بھی ہمارے اس پیار کو یاد رکھنا۔..... اتنا کہتے ہی آسیہ کی آنکھوں سے آنسو گر کر مانی کے رخساروں پر اگڑے.....

آپ اب چلی جائیے۔

کیا دل بھر گیا..... آسید پیار سے بولی۔

مرنے سے پہلے ہم صرف البوسے باتیں کرنا چاہتے ہیں لان
کے گلے میں باہنیں ڈال کر اُس وقت تک البو ابو پکارے تھے یہی گے
جب تک سالسینس سا تھوہنیں چھوڑتیں۔ ان کی یہ خواہش ضرور
پوری کرنا چاہتی ہوں :-

مرنے کی باتیں مت کرو۔

کوشش بھی کروں تو زندہ نہیں رہ سکتی۔

کیا سبب بیمار نہیں ہوگی آسید اس پر چھلکتی ہوئی بولی۔

مگر مانی نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔

تت..... تم..... نے ہمارے پہلو میں سونے کے لئے

بیت شراب دیکھے تھے۔ مانی..... آسید تڑپ کر بولی۔

سب موت کے حصار میں گم ہو گئے۔

مانی..... آسید نے اپنا سر اسکی چھاتی پر دکھوایا۔

ادھر مانی نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس کا سالسینس اکھڑ

پکارتا تھا۔ جذبات کی شدت سے اس کی سالنوں کی ڈور الہبا دی تھی

کھرے کی فضا پر موت ایسی خاموشی مسلط تھی۔

ہر دل دھڑک رہا تھا۔

ڈاکٹر آصف نے زبان کو ہونٹوں تلے داب رکھا تھا۔

وآسید ایک طرف کھڑی بری طرح لرز رہی تھی۔

آنے والے لمحات ہر ایک کے لئے صبر آزما اور جان

یو تھے۔ بجائے اس بازی کو کون جیتنے والا تھا۔

میں بہنیں لوٹی۔

اس وقت مانی تو سو رہی تھی۔ اور ڈاکٹر آصف اور آسیہ
تہنا کمرے میں ایک دوسرے کے سامنے مجرموں کی طرح کرسیوں پر
بیٹھے ہوئے تھے۔

کئی بار دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں تھیں
اس بار جو نظروں کا تصادم ہوا تو اچانک آسیہ بولی۔ آپ
اب بھی شاید ہم سے ناراض ہیں۔
آسیہ کے غیر متوقع طور پر مخاطب کرنے پر ڈاکٹر آصف بوکھلا
گئے اور گڑ بڑا کر بولے۔

جج..... جی..... بہنیں تو....

ہم نے بہت زیادتیوں کی ہیں آپ سے۔

جج..... جی ہاں۔ ڈاکٹر بوکھلاہٹ میں کہہ گئے پھر انہیں
جلدی ہی اپنے جملے کی اہمیت کا احساس ہوا۔ پھر جیسے ہی انہوں
نے فریڈ بولنا چاہا۔ تو اسی وقت آسیہ بول پڑی۔

آپ بہت اچھے انسان ہیں۔

جی..... ہاں..... ہپ..... انہوں نے جلدی سے

منہ بند کر لیا۔

ڈاکٹر آصف کو فوری طور پر مانی کو نیند کا انجکشن دینا پڑ گیا
تھا۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے وہ اس بات سے اچھی طرح آگاہ
تھے کہ اگر مانی کو اگر انہوں نے فوری طور پر سلا نہ دیا تو ہو سکتا ہے کمزور
جسم..... جو اپنی توانائی کھو چکا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو
جائے۔

اس قسم کے جھٹکے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتے تھے۔

دل والوں کی جذباتی جنگ تھی۔

ڈاکٹر آصف نے عقلمندی سے کام لیتے ہوئے

اسے پنٹھا ڈین (نیند کا انجکشن) دے دیا تھا اور مانی بیہوشی کی

گہری دلدلیوں میں اتر گئی تھی۔

وآسیہ بنانے کیوں چپکے سے باہر نکل گئی تھی پھر وہ کوٹھی

جس قدر اچھے انسان ہیں آپ اسی قدر اچھے غاوند بھی ثابت ہو سکتے ہیں آپ
 بی بی جی "ڈاکٹر آصف گڑ بڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
 تشریف رکھیے ہم نے اپنی گستاخیوں کی معافی نہیں تو مانگنی ہے آپ سے
 یہ بے بی کہاں چلی گئی۔ ڈاکٹر آصف اس سے نظریں ہراتے ہوئے بولے۔

کیا آپ ہمیں معاف نہیں کریں گے۔ اسیہ خود بھی کھڑی ہوئی ہوئی بولی۔

ڈاکٹر آصف تیزی سے باہر نکلے چلے گئے۔
 اور اسیہ ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔

ڈاکٹر آصف باہر بڑا مدے میں نکل آئے تھے۔ ان کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اچانک سامنے سے گلبدن بھاگتی ہوئی نکلی۔

اے گلبدن اسیہ کہاں ہے۔

وہ تو چلی گئیں صاحب ۔

چلی گئیں ڈاکٹر آصف بڑبڑا اٹھے۔ پھر وہ تیزی سے

والپس کمرے میں آئے۔ اسیہ کو مخاطب کئے بغیر بولے۔
 آپ کے ٹیلیفون کا نمبر کیا ہے
 جی اسیہ حیرت سے بولی۔
 پلینز نمبر بتائیے۔

"فوری سیون ٹائمن زیر دلو۔ اسیہ اسٹین عجیب سی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

اد۔ ڈاکٹر آصف تیزی سے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آئے ٹیلیفون کے قریب پہنچے۔ میوٹا اٹھایا اور مطالعہ نمبر ڈائل کیے۔
 کچھ دیر گھنٹی بجتی رہی پھر کسی نے میوٹا اٹھایا۔
 دوسری طرف سے کسی ملازم نے رسپنڈ اٹھایا تھا۔

کیا اسیہ کھر پہنچ گئی
 جی ہاں پہنچ گئی ہے۔
 اے ٹیلیفون پر بلاؤ۔

جی بہت اچھا۔

پھر کچھ توقف کے بعد اسیہ کی آواز ابھری۔

الو کیا آپ کو اب بھی میری ضرورت ہے۔

تم کیا کہہ رہی ہو بی بی۔ اب اپنے ابو سے ایسی باتیں کر دو گی

ہو گئی۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور آنکھیں
بند کر کے بے حس و حرکت ہو گئی جیسے پتھر کا کوئی ٹبرہ ہو۔
آسیہ چند لمحوں تک اس کی طرف خستہ نظروں سے دیکھتی
رہی پھر مسکرا کر آگے بڑھی اور اسے سینے سے لگا کر بولی۔

یہ کیا حرکت.....؟

بابی..... داسیہ سسک پڑی۔

ہم تم سے ناراض نہیں ہیں۔

میں نے بہت بد تمیزیاں کیں ہیں۔

آج ہمیں ان بد تمیزیوں پر بھی بے تحاشا پیارا رہا ہے۔

کیونکہ ہم جانتے ہیں تم نے ٹیلیفون پر جس قدر نفرت کا اظہار کیا

اسی قدر تم ہم کو شدت سے چاہتی تھیں۔ بہر حال تم جیت گئیں

بابی..... داسیہ بے ساختہ رو پڑی۔

ارے..... ارے یہ کیا.....؟

اپنی بد تمیزیوں پر نادم ہوں۔

مگر آج ہم تمہیں معاف کر چکے ہیں۔ کیونکہ تمہاری وجہ سے ہم

نے دل کے دھڑکنے کی صدا سنی تھی۔

سچ بابی.....

مانی کیس ہے.....؟

”بھگیاں اڑ رہی ہیں..... بنیفن مہول پر ہے۔ کوئی خطرہ نہیں۔“

”آپ کو آپ کی بیٹی مبارک ہو۔“

تم بھی تو میری دوسری مانی ہو۔ اور پھر مانی کی زندگی تو تمہاری

کوششوں کی مرہونِ عزت ہے۔ مگر تم چلی کیوں آئیں۔

ایک بہت ضروری کام تھا۔

کب آؤ گی.....؟

بہت جلد.....

ڈاکٹر آصف نے مسکرا کر ٹیلیفون رکھ دیا۔ پھر جوہنی انہوں

نے پلٹنا چاہا۔ اپنے پیچھے آسیہ کو کھڑے پا کر وہیں ٹھٹک گئے۔

آپ.....

ہم یہ کہنے آئے تھے کہ مانی کب تک سوتی رہے گی۔

شام تک....

پھر ہم شام کو آجائیں گے۔ کیونکہ ہمارا قرب آپ کو بڑا گراں

گزر رہا ہے۔ آسیہ اتنا کہتے ہی تیزی سے باہر نکل گئی۔

کچھ دیر بعد وہ اپنی سرخ اسپورٹس پر کوٹھی پہنچی تھی جوہنی

وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ داسیہ لے دیکھ کر یکایک کھڑی

پاگنی کہیں کی اسیہ نے پیار سے اس
کے رخسار پر چیت لگائی۔

اور اسیہ ایک بار پھر دالہانہ انداز سے اسیہ سے لپٹ
گئی.....

آدمے گھنٹے بعد ہم راحت منزل چل رہے ہیں۔

جی..... بہت اچھا..... اسیہ نہایت ادب سے
بولی۔ اور اسیہ اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

زندگی پھر مہموں پر آگئی تھی۔

مائی دن بہ دن اپنی کھوئی ہوئی صحت کو واپس لا رہی تھی
واسیہ اور اسیہ ہر وقت اس کے پاس رہتیں وہ سارا سارا
دن مائی کے پاس گزارتیں۔ دوپہر کا کھانا چار بجے کی چائے اور
رات کا کھانا ایک ساتھ کھایا جاتا۔

جس میں ڈاکٹر آصف بھی شریک ہوتے۔

بالکل اسی طرح جیسے وہ اسیہ کے لئے قلعی اجینی رہے ہوں
دن میں کئی بار دونوں کی نظروں کا اتحاد ہوتا مگر کوئی رنگ لئے
بغیر وقت گزر جاتا۔

اور پھر ایک دن ایسا بھی آگیا کہ مائی نے غسل صحت منایا بیگ
میں ہر طرف رنگین آئینل لہرا رہے تھے۔ بر سونقری قبچہروں کی بارش

آسیہ جو دن بدن ان کے قریب ہونے
کی کوشش کر رہی تھی۔ اور آج جس نے سرخ جوڑا پہن کر عجیب
مدب دھارا تھا۔

وہ جانتے تھے کہ آسیہ اب ان کی طرف جھک رہی ہے
وہ موم کی طرح پگھل چکی ہے۔

مگر وہ خود اپنے آپ کو تیار نہیں پا رہے تھے۔
مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ خود مجبور تھے۔ وقت کی ڈور
تو مانی کے ہاتھ میں تھی۔ اور وہ جانتے تھے کہ عنقریب وہ اس اہم
سلسلے کو اٹھانے والی ہے۔
پھر کیا ہوگا.....؟

اچانک ان کے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔ کسی کا نرم و
نازک ہاتھ ان کے کندھے پر آ رہا تھا۔

ڈاکٹر آصف کو عجیب محسوس ہوا کہ یہ ہاتھ کس کا ہو سکتا
ہے تو سردی کے باوجود وہ پسینے میں بہنے لگے۔

کیا تنہائیاں آپ کو دوستی نہیں۔ اس قدر ہنگاموں کو
چھوڑ کر یوں کمرے میں بند ہو جانا کہاں کی عثمندی ہے۔

آسیہ نے یہ الفاظ بڑے شائستہ انداز اور محبت سے بھرپور

تھی۔ پورا بنگلہ روشنیوں سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا ایک بہت
بڑی ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔

گوکہ مانی پہلے جیسی مانی نہیں تھی ابھی اس کے چہرے پر وہ
رونق نہیں لوٹی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بھی اٹھ کر خود چلنے پھرنے لگ
گئی تھی۔ یہی کیا کم تھا۔

آسیہ نے سرخ جوڑا پہنا تھا۔ اور اس نے جی بھر کر شگھار
کیا تھا۔ سرخ ساٹھی زری کے نقش و نگار سے مزین اور سرخ بلانڈ
اس پر قیامت بن گیا تھا۔ اُسے جس نے بھی دیکھا دل تھام کر رہ گیا
وہ کسی پرستان کی بری معلوم ہو رہی تھی۔ جو غلطی سے زمین پر اتر
آتی ہو۔

ڈاکٹر آصف نے جب اسے دیکھا تو ایک لمحے کے لئے نظریں تک
نہ جھپکائے۔ مگر پھر انہیں دوسروں کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اور
جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

پھر وہ غیر ارادی طور پر اس طرف آنکلتے تھے۔

حالانکہ باہر لان ہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔

وہ نہایت خاموشی سے ایڑی چیر چیر کر بیٹھ گئے۔ ایک

بڑی اہم بات سوچ رہے تھے۔

بچے میں کہے تھے۔

”کس قدر اپنا نیت تھی اس کے القاطوں میں“

ڈاکٹر آصف ایک بیک بوکسڈ کرکھڑے ہو گئے۔

کیا آپ ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ آسہ گھٹے گھٹے لہجے میں بولی جس سے سرگوار ہو گیا تھا۔

نن..... نہیں..... ڈاکٹر جلدی سے بولے

محبت کرتے ہوں گے....“

نن..... نہیں.....“

بہت خوب..... آسہ زبردستی مسکرائی۔ پھر یکدم

سے بولی۔

”آج ہم آپ کو کیسے لگ رہے ہیں.....؟“

جی.....“

پسند بتائیے.....!

اچھی تھے تو ہمیشہ سزا جاتا ہے۔

آپ جانتے ہیں یہ صرخ جوڑا ہم لے چکوں پہنا ہے۔

نہیں..... ڈاکٹر آصف کی پیشانی مرق آلود ہو گئی تھی

آپ کے لیے.....!“

لگ..... کیا مطلب..... وہ بری طرح بوکھلا تھے

دلہن بنی ہوں.....

شاید ادھر کوئی آرہا ہے۔ ڈاکٹر آصف گرا کر بولے

آپ کا دم ہے۔ آسہ مسکرائی۔

ڈاکٹر آصف نے باہر جانے کے لئے قدم اٹھایا ہی تھی کہ آسہ کی مترنم آواز

کمرے کی فضا میں موسیقی کی لہریں بکھر گئی۔

آج ہمیں ایک فیصلہ کرنا ہے

ہر قسم کے فیصلہ کا اختیار صرف مانی کو ہے ڈاکٹر آصف جلدی سے بولے

مانی کے چاہتے ہی پر تو ہم اس قدر قریب آ گئے ہیں۔

کیوں.....؟

کیونکہ وہ ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

راستہ تو چھوڑیے۔

اس بے رخی کا مطلب بتا دیجئے۔

کوئی وجہ نہیں

پھر یہ دوری کیوں؟ ہم ان درمیانی فاصلوں کو مٹا کیوں نہیں دیتے۔

یہ انسانی غفلت کے نشان ہیں انہیں کسی وقت کے انتظار میں حائل ہی

رہنا چاہیئے۔

اب آپ فلسفیانہ انداز میں گفتگو کرنے لگ گئے ہیں۔
بہت دیر ہو چکی۔

جانیے..... "اچانک آسیہ نے ٹیکھے تیوروں کے ساتھ
راستہ بھر ڈوبا۔

اور ڈاکٹر آصف تیزی سے پیشانی سے پسینہ خشک کرتے ہوئے
نکتے چنے گئے۔

آسیہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی

ڈاکٹر آصف آپ بھی ہار گئے..... اور ہم.....

جیت تو صرف دو کھپیاں گئیں۔ ورنہ شاید ہم دونوں نفرت کے سیلاب
میں ڈوب جاتے۔

کچھ دیر بعد وہ خود بھی باہر نکل آئی۔

پھر وہ لان میں ہولے والے ہنگاموں میں کھو گئی۔

مائی اپنے اسکول کی دوستوں سے گلے مل رہی تھی۔

ہر سو قہقہے ہی قہقہے تھے۔ اور ہر سو بہا بہا رہی تھی جس میں

کئی دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے۔

آسیہ نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں شاید وہ ڈاکٹر آصف کو

تلاش کر رہی تھی۔ ایک جگہ کچھ دوستوں میں گھرے وہ اسے نظر آگئے۔ وہ بھی

اسکی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔

دونوں کی نگاہوں کا اس بار تقابلی بڑا سنگین تھا۔

پھر جو نہی ڈاکٹر آصف نے نظروں کو چرایا..... تو آسیہ ہلکے سے

مسکرا دی.....

مانی مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ آپ کس اس سرخ جوڑے نے آپ کو ایک اہم فیصلہ کرنے پر مجبور کیا ہے۔

کیا؟

یہی کہ اس مانی کے غسلِ صحت کے جشن میں آپ ان کپڑوں کے ساتھ البوسے شادی کر لیں ہم نے قاضی جی کا۔ بندوبست بھی کر لیا ہے کیا مطلب؟

واسیہ نے انکل کو ٹیلیفون کر دیا ہے بس وہ کچھ دیر تک تشریف لے آئیں گے۔ کیونکہ پر دو گرام ہم نے اور واسیہ نے کل رات ہی ترتیب دے لیا تھا۔

آسیہ کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے۔

بس اب آپ اپنے آپ کو تیار رکھئے۔ ہم ذرا البوسے بات کریں ویسے سوٹ ان کا بھی نیل ہے۔

آسیہ کو جیسے سماپٹ سونگھ گیا ہو۔

آج کے دن شادی کا پر دو گرام کسی قدر غیر متوقع تھا۔ وہ وہیں کھڑی حیرت سے مانی کو جاتے دیکھ رہی تھی۔

وہی بڑا جومانی نے چاہا۔

مگر نہایت ہی غیر متوقع طور پر.....

ہوا بول کہ آسیہ کچھ لڑائیوں کے ساتھ لگائی میں معروف تھی۔

کیونکہ بھی کھانے کے وقت میں آدھے گھنٹے کا وقفہ دائل تھا۔

اور بقول مانی کے کہ ابھی کچھ سہان آنے باقی ہیں۔ وہ لڑائیوں کے

ساتھ کالج لائف کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی۔

کہ اچانک مانی اس کے قریب پہنچی اور بولی۔

آپ ذرا اور تشریف لائیں۔

آسیہ مسکرا کر اٹھ کھڑی اور مانی اُسے ہوسے پھولوں کے ایک

کونج میں لے آئی۔

ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ ہر روز دلاتی کرتے پھر ہیں....

پھرو ہی ہوا جو سانی کہہ گئی تھی۔ آسیہ کے ابو سراسر افضال بھی آگئے تھے۔

نکاح ہوا۔ مبارکبادی کا شور مچ رہا۔ مگر ہر مہمان کا چہرہ کچھ نہ کچھ رنگ لئے ہوئے تھا۔ ہر کوئی حیرت سے کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا۔ کم از کم یہ ہنگامہ رات آٹھ بجے تک برپا رہا۔ ہر کوئی تقریر حیرت بنا رخصت ہو گیا۔ مگدون عیسیٰ کے کان کھا رہی تھی۔

میں نہ کہتی تھی کہ کوئی گھسلا ہو گا۔ وہی ہوا ناچو میں کہتی تھی۔

کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی شادی ہوئی ہے۔ آسمان تو نہیں پھٹ پڑا۔ یازمین نے اپنی جگہ تو نہیں چھوڑ دی۔ مین کب مارا مٹنے والا تھا۔

متر نے یہ سہیں دیکھا کہ یہ شادی کتنی عجیب ہوئی۔

اور جو تیری اور میری شادی ہوئی تھی تو کب تو سوچ بھی سکتی تھی کہ بیٹے بٹھائے ہم تیس میرے جیسا گھسلا دو جوان مل جائے گا۔

کبھی تو نے آئینہ دیکھا تھا۔

رات ہونے میں ایک گھنٹہ رہ گیا ہے۔ جن شرارت اٹھیں

انداز میں مسکرا کر بولا۔

پھر بکھال سے لفظ پھر کو کافی مد تک کہیں۔

خیر چھوڑاں باتوں کو۔ ویسے حیران مٹ ہو کیونکہ یہ بنگلہ ہی کچھ ایسا ہے کہ بیٹے بٹھائے شادیاں ہو جاتی ہیں۔

نم بھی بدھو ہو۔ اور آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھے ہو۔ بہتیں کیا معلوم کہ یہاں کیا ہو رہا تھا۔ کب ہو رہا تھا۔

عیس دن سے آسیہ بی بی نے یہاں قدم رکھا۔ مانی بی بی ٹھیک ہوتی چلی گئی تھی کہ بچاری اسی غم میں مری جا رہی تھی کہ کب آسیہ بی بی آئیں

آگے بکو جن غزل

تمیز سے بات کر دو۔ ہتھامری بیوی ہوں جو رو نہیں یہ بیوی اور جو رو والی بات اپنے اپنے کچھ نہیں پڑی۔

بتا دوں

بڑا کرم ہو گا

جو رو اسے کہتے ہیں ہوا ہے میاں کی غلام ہوا

اور بیوی اسے کہتے ہوں گے جب کامیاں غلام ہو۔ گیوں میں کہت

چاہتی ہوں جن اسکی بات کاٹ کر بولا۔

ہاں میں کہنا چاہتی ہوں

اپنا سر بیٹوں یا اپنی قسمت کہ میں اپنے سر پر دو تھڑ
مار کر بولا۔

اے جا بڑا ناسخ منشی بنے ہے تو گھر کی بات کہی تو
پیشاخ اٹھا۔

وہ جو ترے بابا ہیں تباہوں وہ بات اگر بھول
گئی ہے تو گئی ہے تو گئی ہے تو

سر سہاڑوں کی جو تونے کوئی بات کہی تو
جودت بن نیک بخت بیوس بن - وہ نہ زندگی رٹتے نہ گرتے گرد
جائے گی۔

سید صا آسید بی بی کے پاس جاؤں گی شکایت لے کر
وہ میں کھلکھل کر ہنسنے لگا۔

رانت کیوں نکال رہے ہو۔

وہ آج رات بہت معروف رہیں گی۔

عبداللہ نے اسے گھور کر دیکھا پھر سجانے کیوں مڑا گئی۔

عبداللہ کا سڑمانا بھی رنیمت تھا۔

آج رات - صبح شکایت کر لینا میں شرارت آمیز نظروں سے اسکی
نہ دیکھ کر مسکرایا۔

بے شرم کہیں گا۔

اسی جرم میں برا بھلا کے دونوں شریک ہیں۔

دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر ٹھہر کر بعد ایک ماہ
بھینپے بھینپے مسکرا دیئے۔

مسکرا پڑی تھی۔

سنا لے وہ مسکراہٹ کیسی تھی، اپنی جیت پر مسکرائی تھی یا اپنی
بار پڑے.....

کچھ دیر بعد وہ سوتھ رہی تھی کہ یہ کہانی کہاں سے شروع ہوئی تھی۔
اسے یاد تھا کہ سب سے پہلے اسکی ملاقات آصف سے ہوئی تھی۔
میں ہوئی تھی۔

کس قدر نفرت انگیز ملاقات تھی وہ.....

پھر مانی جو اکثر ان کے یہاں آتی رہتی تھی اس نے واسیہ سے ملکر
کس قدر اہم کردار ادا کیا تھا۔

دو دن سہیلیوں نے ملکر ایک کہانی کرچیم سے ڈالا تھا اور دونوں
نے ملکر کیسے کیسے دنگ بھرے تھے کہ انجام یہ مسہری تھی۔
وہ سوچتی رہی۔

اور.....

رات بھاگتی رہی

جس کا اُسے انتظار تھا وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

پھر ایسے لمحات بھی آئے کہ وہ یکدم اکتاہٹ کا شکار ہو گئی تھیں
ابھی تک کیوں نہیں آیا تھا۔

سوخ جڑا

عروسی جوڑا ثابت ہوا۔

وہ ایک ایسی دلہن تھی جسے دو پختوں نے بنایا تھا۔

اور وہ ایک ایسی مسہری پر تکیہ کا سہارا لئے نیم دراز تھی جہاں

کبھی پھولوں کا ہار بنا تھا، کسی نے اپنی چاہت کے پھول بکھرے تھے۔

اور پھر وہ پھول ہر جھانکے تھے۔ اور مسہری دیر ان ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر آصف..... اپنی زندگی کی تمام خوشیاں کھو چکے تھے۔

لیکن آج پھر کوئی دلہن بن کر اس مسہری پر آ بیٹھی تھی۔

مسہری کے سر ہالے دیوار پر مانی کی والدہ کی تقریر..... مسکراتی

ہوئی خواجہ صورت تقریر آدیاں تھی۔

اسی نے نکاحیوں سے کئی بار اسکی طرف دیکھا تھا۔ پھر وہ

اُس نے دیرا گھرِ ظلم کی طرف نظر نہ اٹھا کر دیکھا۔ ایک بج رہا تھا.....

چار گھنٹے گزر چکے تھے۔

چار گھنٹے..... جو اُس نے مسہری پر بیٹھے بیٹھے اور انتظار کی شدت میں تپتے ہوئے گزار دیئے تھے۔

ظلم کی سوئیاں برابر دینگ رہی تھیں۔ اور آسیہ کا ذہن چمکتا جا رہا تھا۔

ایک گھنٹہ اور میت گیا۔ وہ بوجھدار مسہری سے اتر آئی۔ سلیپر پہنے اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

پورا برآمدہ دیران پڑا تھا۔ اور ہر سودیرانی ہی دیرانی مسلط تھی۔ برآمدے کا اگلا بلب اپنی خود درخشندگی سے بجلے کے اندھیرے کو چیرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ دھشت زدہ سی نظروں سے دور دور تک نظریں دوڑاتی رہی پھر کسی مجبوری کے تحت وہ آگے بڑھی اور ہلکی ہلکی قدموں کی آواز پیدا کرتی وہ مانی کے کمرے کے دروازے تک چلی آئی اس نے دروازے کو اپنے ہاتھ کے دباؤ سے ذرا سا کھول کر اندر جھانکا۔

مانی اور واکیم دونوں ایک ہی بستر پر بے خبر سو رہی تھیں۔

آسیہ چاندنی کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی پھر ایک تیز جھٹکے سے وہ دروازہ بھیڑ کر واپس پلٹ آئی اب اس کا رخ ڈاکٹر آصف کے کمرے کی طرف تھا۔

دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ وہ دروازے کے قریب پہنچ کر دنگ ہوئی خوش گوار دھڑکنوں کے احساس نے۔ دے دے آئی اس نے دروازے کے پتے پر ہاتھ رکھ دیا۔

اس کا ہاتھ برتا ہوا لڑا تھا۔ اور اس لڑائی نے ہلکے سے دھاؤ کے ساتھ ایک پٹ کو ذرہ سا کھول دیا۔ پردہ سرکایا اور پھر جیسے ہی اس کی نظر ڈاکٹر آصف پر پڑی اس کا دل دھک سے ہو گیا۔

ڈاکٹر آصف اندر موجود تھے۔ نائٹ بلب جل رہا تھا۔ اور وہ مسہری پر بے خبر سو رہے تھے۔

آسیہ کے دل میں عجیب سی لہرائیں اس نے بڑے عجیب سے انداز میں ہونٹوں کو نیم دائرے میں لپیٹ لپیٹ لپیٹ کر دیکھتی رہی۔

دل چاہا کہ آگے بڑھے اور لائیں بیدار کر کے پوچھے کہ کیسی رسم الفت ہے۔

میں ایک نئی نئی دلہن ہوں۔ میرے گلے میں پہنتے ہوئے بھولوں کے

ہا۔ ہیں۔ چاہت اور محبت کے بارے۔۔۔۔۔“

آج کی رات یوں برباد کرنے کے لئے پہنیں آئی تھی۔ یہ رات مسقدر
ابہیت کی حامل ہے مگر آپ۔۔۔۔۔ آپ تو اس طرح سو رہے ہیں جیسے
کوئی بات ہی نہ ہو۔

مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکی۔ مہنیت خاموشی سے جذبات کے
طوفان سینے میں بے سود دھکڑلاتے ہوئے قدموں سے واپس لوٹ آئی
اس کا زہن بری طرح سلگ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ مانی کو اٹھا کر
بہ چمچے کہ تم اس البرکے لئے سرمری جا رہی تھیں۔

اس البرکے لئے لڑنے اپنی جان دینے کی ضمانت تھی۔ وہ دیکھ
لو اس نے نہیں کتنی بیدردی سے ٹھکرا دیا ہے۔

اب میں اس رات کا ماتم کروں یا ان بھولوں کو اپنے ارمانوں کی
قبر پر چڑھا دوں۔

یہ خواہشات کی چٹا شایدا بجل جائے۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنے
کمرے میں چلی آئی۔ اور پھر شاید اس پر دیوانہ گی کا دھبہ پڑ گیا۔

اس نے دو دن ہمتوں سے بھولوں کے ہار دل کو مسل ڈالا اور بے دم
سی ہو کر مسہری پر جا پڑی۔

ابھی رہ رہ کر ایک درد کی لہریں تڑپ اٹھتیں۔ وہ تڑپتی رہی اور

رات اپنا اپنی پھیلائے اپاجوں کی مانند ریگتی رہی۔

صبح چار بجے کے قریب وہ نڈھال ہو کر سو گئی۔

سات بجے اگراٹھائے زالی مانی تھی۔

امی آج آپ بہت سوئیں۔ اب تو ناشتہ کیے بغیر چلے گئے۔

ابنہلے کافی بیر اپکا ناشتہ پرانتظار کیا۔ مانی ایک ہی سانس میں

کہتی چلی گئی۔

آسیہ لیٹر پر بیٹھی مانی کود کیے بارہی تھی۔ اسکی آنکھوں کا غماز اس
اس بات کا غماز تھا کہ وہ پوری طرح نیند نہیں لے سکی۔

لگ۔۔۔۔۔ کیا بات ہے امی حضور! آپ ہمیں یوں کیوں دیکھ
رہی ہیں۔ مانی گڑبڑا کر بولی۔

آسیہ نے چونک کر اپنی نظروں کا زاویہ بدل دیا۔

امی حضور! مانی پھر بولی۔

کیا تمہارے ابو ناشتہ کے بغیر چلے گئے آسیہ سرسری انداز میں بولی

جی ہاں۔۔۔۔۔ مگر آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ آپ کی آنکھیں

بہت سرخ ہو رہی ہیں۔

رات دیر سے نیند آئی۔ آسیہ نے بات اڑادی اب یہ بات اسے

کیسے بتاتی کہ تمام رات وہ انگاڑوں پر لوٹ لوٹ کر گزار چکی ہے۔

نیند کیوں نہیں آئی مانی۔ استفسار کرتے ہوئے بغور آسیہ کی طرف دیکھے جارہی تھی جیسے اندازہ کرنا چاہتی ہو کہ البتہ ناشتہ کیوں نہیں کیا اور امی اتنی دیر تک سوئی کیوں رہیں۔

آسیہ نے اپنے کھلے سیاہ بالوں کو جھٹکا دے کر ستوارہ اور اٹھ کر بستر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

تم ایک صندی بچی ہو۔ اتنی چھوٹی عمر میں فطرت کے تقاضوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔

کیا بات ہوئی۔ مانی خواہ مخواہ مسکرا پڑی لیکن اس کی مسکراہٹ میں بے پناہ سنجیدگی پنہاں تھی۔

آسیہ نے اُسے تیز نظروں سے دیکھا اور ایک تیز جھٹکے سے بستر چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ مانی اس کی طرف دیکھے جارہی تھی اور آسیہ کمرے کے ملحقہ باتھ روم میں جا کر بند ہو گئی۔

باتھ روم کا دروازہ کافی زوردار آواز میں بند ہوا تھا۔

مانی نے بڑی تیزی سے پلکیں جھپکائیں۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ابھر کر بیٹ گئی۔

پھر وہ نہایت خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

کیوں..... باجی اٹھ گئیں۔ برآمدے کے سرے پر آسیہ مانی سے اُٹکرائی۔

ہاں اٹھ گئیں۔

ناشتے پر کمروں میں نہیں آئیں تھیں۔

ابنیں فطرت کے تقاضے ہو گئے ہیں۔ مانی معصومیت سے بولی۔

کیا مطلب.....؟ آسیہ حیرت سے بولی۔

مطلب تو بس نے بھی معلوم نہیں کیا تھا۔ مانی مسکراتے ہوئے ٹیلیفون والے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ باپٹل کے مینر ڈائل کر رہی تھی۔

ہلو..... مانی بول رہی ہوں۔

کیوں کیا بات ہے ڈاکٹر آصف کی آواز ابھری

امی کو فطرت کا تقاضہ ہو گیا ہے اس لیے وہ ناشتہ پر نہ پہنچ سکیں

دیر تک سنی رہی ہیں۔

پھر ہم کیا کریں.....؟

آپ کو اطلاع دینی تھی۔

اور کچھ.....

ناشتہ کر لیا آپ نے

ہاں کر لیا۔

آپ نے اچھا نہیں کیا ہلو.....؟

کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں برواشت کرنا پڑتا ہے۔ اب تم بھی اپنے اندر اس قسم کی عادت ڈال لو۔
کس قسم کی۔

برداشت کی.....

کیا یہاں اب اس قسم کی باتیں ہوں گی۔
شاید۔

کیا آپ کو یقین ہے.....؟
اب ختم کرو آپریشن تھیٹر میں ایک کیس ہے۔
بہتر..... دوپہر کا کھانا ٹھہر ہی کھائیے گا۔
انتظار مت کرنا۔

الو.....

صند بھیں گرتے۔

مانی نے نہایت سنگین قسم کی خاموشی سے کریڈل پر سیدھے کھڑکیا۔
اسکی آنکھوں میں گہری تشویش کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں وہ کافی دیر تک
گم سم سی رہیں ٹیلیفون کے قریب کھڑی رہی۔ پھر کچھ توقف کے بعد گہری
سانس لے کر کمرے سے باہر نکل آئی
حاصل سے لے گلبدن آتی نظر آئی مانی نے اشارے سے اسے

قریب بلایا.....

امی حضور کا نام شہزادہ ان کے کمرے میں پہنچا دو۔

”جی بہتر۔ گلبدن بلدی سے کھسک گئی۔

اور مانی واسیہ کے کمرے میں آکر بولی۔

اب ایک نیا کیس شروع ہو گیا ہے۔

کیسا کیس.....؟

عجیب و غریب کیس۔ میں تو پریشان ہو گئی ہوں۔

کچھ بتاؤ بھی کیوں میری جان لگا لے دے رہا ہو۔

ابو احمادی حضور شہزادہ ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔

پھر انہوں نے شادی کیوں کی۔

انہوں نے کسب کی۔ زبردستی کرائی گئی۔

سمجھتیں وہم ہوا ہوگا۔ واسیہ کو جیسے یقین نہ آیا ہو۔

وہم..... مانی بڑبڑائی اور پھر مزید بولی۔

انڈیکس میرا یہ وہم ہی ہو۔ مگر حقیقت وہم نہیں کہلا سکتی۔

میں باجی سے بات کرتی ہوں۔ واسیہ نے رائے پیش کی۔

ہنسی..... اسکی ضرورت نہیں۔ میں خود ہی سب کچھ دیکھ لوں گی۔

چٹہ لگا کر دیکھنا آج کل تمہاری بینائی بہت کمزور ہو گئی ہے۔

مذاق بہنیں..... میں بہت ہی پریشان ہوں۔

اے بہنیں مانی۔ تم اب فکر مت کرو.....

اپنی امی کو اور ابو کو فی الحال بھول جاؤ وہ اپنے معاملات خود سمجھ لیں گے۔ ساتی جلد ہی پریشان ہونے کی ضرورت نہ رہے گی۔ مانی نے واسیہ کو شکایتیں نظروں سے دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لیکر اپنے آپ کو کسی پرڈھیلا چھوڑ دیا۔

پھر کچھ سوچ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور واسیہ سے بولی

عبدالکریم کو امی کے کمرے میں ناشتہ پہنچانے کا کہہ آئی تھی۔ زندہ معلوم کروں گا انہوں نے ناشتہ کیا یا نہیں۔

جاؤ..... جاؤ..... میں کمرے میں ہی ہوں واسیہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

مانی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

کچھ دیر بعد وہ آسیہ کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

آسیہ ایزی جیسے بیٹھی کسی خیال میں غرق تھی۔ سلختے پانی پر ناشتے کا سامان چنا ہوا تھا۔

آپ نے ابھی ناشتہ نہیں کیا۔

ایں..... آسیہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔ اور مانی کی طرف دیکھتے

ہوئے بولی۔

آؤ مانی..... بیٹھو.....

آپ نے ابھی تک ناشتہ کیوں نہیں کیا۔

کیا تم ارگوں لے کر لیا۔

سچ پوچھئے تو واسیہ اور میں نے قرن اپنی وجہ سے خود ابھی تک نہیں کیا.....

اوہ..... آسیہ اسکی طرف دیکھتے ہوئے ایک طویل سانس لیکر رہ گئی۔

آپ شروع کریں نا..... ٹھنڈا ہوئے جا رہا ہے۔

چلو تم بھی میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔

سچ..... مانی کا چہرہ خوشی سے گلزار ہو گیا۔

چلو بیٹھ..... آسیہ نے مسکرائے کی کوشش کی۔

شکریہ امی حضور! آپکی محبت اور شفقت میرے لئے سرمایہ

حیات ہے۔

اچھے بچے اپنی عمر سے زیادہ بڑی باتیں کہیں کیا کرتے۔

ہم نے تو ابھی کوئی بات نہیں کی۔ مانی مسکرائی.....

آسیہ بھی جواباً مسکرائی ماد مانی کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولی.....

تم واقعی بہت اچھی بچی ہو۔

کیا یہ بات اب آپ کو معلوم ہوئی ہے۔ امی حضور۔۔۔۔۔ مانی
شرارت آمیز انداز میں مسکرائی۔

شریب کہیں کی۔
شکریا امی حضور۔

ماسیہ کو بھی بلاو وہ بھی ناشتہ کرے۔ آسیہ کو چھوٹی بہن کا
تیالیا اٹھیا۔

اے وہ۔۔۔۔۔ مانی کھکھلا کر ہنسی پڑی اور مزید بولی۔
وہ تو بڑی پیوٹ ہے امی حضور۔ اب تو اس کے پیٹ میں پنج کھیلے
بھی گنجانے نہ ہوگی۔ کہہ رہی تھی اگر کوئی ناشتہ بہت کرتا تو میں اپنی محنت
کیوں خراب کروں۔ آجکل ویسے ہی ہر شے میں ملاوٹ ہو رہی ہے کوئی
شے بھی تو خالص نہیں مل رہی۔

اس کا مطلب ہے اس نے ناشتہ کر لیا۔
عروسی جانا کہ اگر اس کی جگہ میں اتنا کھالیتی تو شاید ذہن ڈاکٹر
تک جا پہنچتی۔

آسیہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ اس نے پیٹ سے سلائی کا
پیس پکڑ لیا تھا۔ مانی بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

وہ چائے کا بڑا سا گھونٹ بھر کر بولی۔

اگر دیکھا جائے تو انسان کو کسی لمحے بھی خوراک کی طرف سے
توجہ نہیں ہٹانی چاہیئے۔

کیا مطلب۔۔۔۔۔ آسیہ بولی۔

بے وقت کی خوراک انسانی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے۔
خاموشی سے ناشتہ کرو۔ تم بہت باتیں کرتی ہو۔

کیا آپ کو میری یہ باتیں بری لگتی ہیں۔

ہم نے ایسی کوئی بات بہت کہی۔ آسیہ مسکرائی۔
اچھی بھی بہت لگتی لیکن لودیری بھی بہنیں۔۔۔۔۔ تو پھر آپ کو کیسی لگتی ہیں
اچھا بابا بولے جاؤ۔

کیا ہم بے وقوف ہیں۔ مانی مسکرا کر بولی۔

خود تو بہنیں البتہ دوسروں کو فرد بناتی ہو۔

اللہ۔۔۔۔۔ کافر ہو کہ مر جاؤں اگر کبھی کسی کو بیوقوف بنائے گا مقررہ
سبھی کیا ہو۔

آسیہ خاموش رہی۔

پھر ناشتہ خاموشی سے اعلان کو پہنچا۔

گلاب جب برتن لینے آئی تو مانی جھٹ سے بولی۔

وہ تمہارے جن کہاں میں ؟

گھاس کھا رہا ہے۔ گلبدن جلدی سے بولی۔

کیا کر رہا ہے ؟ اسیہ بھی چونک پڑی۔

گلبدن گڑبڑا کر رہ گئی۔ اور ہٹھکڑ بولی۔

جی..... وہ میرا.... مطلب تھا۔ گھاس کھود رہا ہے۔

اچھا جادو تم بھی اسکا ساتھ دو۔ اچھا مشغلہ ہے۔ مانی جلدی

سے بولی۔

گلبدن اسیہ کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

برتن لے جاؤ۔

جی بہتر.... گلبدن نے تیزی سے برتن سمیٹے اور ٹال دھکیلتے

ہوئے باہر نکل گئی۔

مانی کنکھیوں سے اسیہ کی طرف دیکھے جا رہی تھی ماسیہ اسکی

آنکھوں کی چین چہرے پر محسوس کرتے ہوئے بولی۔

کچل کیا بات ہے ؟

آ..... آپ بہت خوبصورت ہیں۔ مانی شرماتا کر بولی۔

اسیہ مسکرا کر رہ گئی۔

اور کرسی چھوڑ کر اسٹڈ ڈھڑی بھڑی۔ مانی نے بھی اسکی تقلید کی۔

ہم اب کچھ ٹیلیفون کرنا چاہتے ہیں۔

بڑے شوق سے کہتے۔

شاید کچھ مہال آجائیں۔

یہاں آنے والا ہر زمان ہمارے لئے ختم ہوگا۔ مانی عورت سے بولی۔

شریکہیں کی۔

شکریہ ! مانی جھک کر بولی۔

اور اسیہ اُسکے رخسار پر ہلکی سی ہبت لگا کر آگے بڑھ گئی۔

کون کا ہوا.....

سوری..... "ہم معروف ہیں ڈاکٹر اصف نے ٹیلیفون بند کر دیا تھا۔"

ٹھیک ہے ہم مل لیتے ہیں۔ ملازمہ سے کہو کہ چائے تیار کر دے۔
بہتر.....

ڈاکٹر آصف بجاالت مجھری آسیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔
اس کے کمرے کی طرف بڑھتے وقت انکے قدموں میں یلکائی

رزش بنایاں تھیں۔

کچھ لمحوں بعد وہ آسیہ کے کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔

نجانے کیوں انکا دل چاہ رہا تھا کہ واپس لوٹ جائیں۔

ایک نا معلوم دسی چہن کے احساس نے انہیں بڑی شدت سے

بے چین کئے ہوئے تھا۔ مگر وہ دل پر تھیر کرتے ہوئے دروازے کے اندر

قدم رکھ چکے تھے۔

آسیہ مسہری پر اندھے منہ کہنیوں کے مہارے لیٹی کسی میگزین

کی صفحہ گردانی کر رہی تھی کہ قدموں کی آواز پر اس نے گردن کو گھما کر دہانے

کی طرف دیکھا۔ پھر جو اپنی اسکی نظر آصف پر پڑی تو وہ ایک دم سے سیدھی

ہو گئی.....

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے جا رہے تھے۔

خالی خالی اور بے عقیدہ سی نظریں ایک دوسرے پر جیسے ٹم

کر رہ گئی ہوں۔

میں اندھا سکتا ہوں۔ ڈاکٹر آصف کے ہونٹوں پر لڑکش
پیدا ہوئی۔

تت..... نشتر یف لائیے۔ آسیہ کے ہونٹ لرزنے ہوئے
لوئے۔

شکیرہ..... وہ دھیرے سے مسکرائیے۔

اور کپڑوں کی الہاری کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

پھر اجانک انہوں نے اپنا رخ بدل کر لان کی طرف کھینے والی

از طرف کر دیا۔ وہ وہاں جا کر کھڑے ہو گئے اور مدھم سی آواز سے

لوئے.....

مانی نے ابھی ابھی بتایا ہے کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔

جی..... آسیہ کا ذہن جھنجھٹا کر رہ گیا۔

فرمائیے..... میں حاضر ہوں۔ ڈاکٹر آصف کھڑکی کے باہر لان کے

خوابت پردوں پر نظریں جمائے جمائے لوئے۔

آسیہ انکی پشت پر نظریں جمائے پلک جھپکائے بغیر ان کی طرف

دیکھ جا رہی تھی۔

کمرے میں دونوں کے درمیان ایک عجیب سی خاموشی مسلط ہو

گئی تھی.....

ڈاکٹر آصف اسکے بولنے کے منتظر تھے۔

آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا۔ ڈاکٹر آصف پھر بوسے۔
سہیں۔ وہ ہونٹ مسکوڑ کر بولی۔

ہم سے مانی نے پھر غلط کہا ہوگا۔ وہ مدھم سے لہجے میں بولے
ت۔ ... تشریف رکھیے۔ آسیدل کی بات برنٹوں تک۔

ے ہی آئی۔

اگر کوئی کام ہے تو بیٹھ جانا ہوں۔

میں شاید اب آپ کی بیوی ہوں۔ آسیدل گ کر بولی۔

ڈاکٹر آصف بڑی سے اسکی جانب مڑے۔ دونوں کی ایک بار پھر
نظریں ملیں۔ آسیدل نے ذرا لگا ہیں جھکالیں۔

آپ یقیناً میری بیوی ہیں۔ وہ الفاظ چباتے ہوئے بولے۔

آپ پینج ٹائم پر گھر کیوں نہیں آئے تھے۔

ایک ضروری کیس روکے ہوئے تھا۔

کیا اکثر ایسا ہوتا ہے۔

میں ڈاکٹر ہوں۔ میری زندگی اور وقت اپنا نہیں ہے۔

آسیدل نے دھیرے سے نظروں کو اٹھا کر انکی طرف دیکھا

اور ڈاکٹر آصف کو اپنی طرف دیکھتے پا کر پھر نظروں کو جھکا لیا۔

آج شاید کچھ مہمان آئے تھے۔

میرے مہمان تھے۔ آسیدل غلط میرے پرزور دیکر بولی۔
مانی نے ٹیلیفون پر بتایا تھا۔

ہر بات مانی ہمارا شاید آپ کو بتایا کرتی ہے۔
میں سمجھا نہیں۔

میرا مطلب ہے کہ ہر کام میں مانی ہی آپ کو گائیڈ کرتی ہے۔

اگر آپ کو اعتراض ہے تو۔۔۔ وہ صبا اور اچھوڑ کر خاموش
ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے آسیدل کے چلنے میں لتڑکی چھین محسوس کر لی تھی۔

اچانک آسیدل بستر چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ مادر لڑتی ہوئی آواز میں بولی۔

آپ مجھے نظر انداز کیوں کر رہے ہیں۔

اندھا اور بدتمیز انسان ہوں۔ اس لئے اگر ایک وقت آپ

کو نظر انداز کر گیا ہوں تو کوئی بڑی بات نہیں۔

نہج۔ جی۔ آسیدل کا دل بری طرح لرزا۔

بالو۔ چلے حاضر ہے۔ اچانک مانی ڈال لئے دردناکے

رہنمودار ہوئی۔

دونوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ آسیدل

نے ایک بھر جھری سیالی اور پھر مہرہ پر بیٹھ گئی۔

ڈاکٹر آصف مسکرائے اور بولے۔

گلاب دن کہاں تھی ۹۰۰۰۰

ذرا معروف تھی اس لئے خود ہی لے کر حاضر ہو گئی۔

ہوں انہوں نے ایزی چئیر کی طرف بڑھتے ہوئے ہنکارا

بھرا اور پھر اس پر اپنے آپ کو گراتے ہوئے بولے۔

اپنی امی سے کہو کہ ہمارے ساتھ چائے پینا پسند کریں تو آجائیں

اسیہ نے سلگتے ہوئے ذہن کے درمیان انکی طرف دیکھا پھر

مانی کی لادڑا سیکے کالڈ سے ٹکرائی۔

آئیے امی میں چائے کے قریب دوسری کرسی ڈالے دیتی ہوں۔

آسیہ کا دل چاہا کہ الکار کر دے لیکن نہانے کیوں وہ دل پر

جبر کر کے رہ گئی۔

مانی نے کرسی رکھ دی اور آسیہ نہایت سنگین قسم کی خاموشی

سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھی۔

ملی کمرے سے جا چکی تھی۔

دونوں خاموش تھے آسیہ سر جھکائے نہ جالے اب کیا سوچ

رہی تھی۔ ڈاکٹر آصف سگریٹ نکالتے ہوئے مدھم سی آواز میں بولے۔

منگنیٹ کا دھواں آپ کو ناگوار تو نہیں گزرتا گا۔

آسیہ نے اکیلا پھر انکی طرف دیکھا اور بولی۔

آپ کی کوئی بات اب مجھے ناگوار نہیں گزرتی گی۔

شکریہ۔ وہ زبردست مسکرائے۔

آسیہ نے انکی تلخ سی مسکراہٹ کو محسوس کیا اور اپنے

رہنے پر سنے ہاتھوں کو برتنوں کی طرف بڑھا دیا۔

چائے کا کپ تیار کر کے اس نے خاموشی سے ان کے

اگے رکھ دیا۔

شکریہ !

کیا آپ بار بار شکریہ ادا کرنے کے عادی ہیں۔

جو بات غیر متوقع ہو اس کے لئے ان ن شکریہ گزار ضرور

ہوتا ہے۔

میں آپ کی بیوی ہوں۔ آسیہ سلگ کر بولی۔

میں جانتا ہوں وہ مسکرائے۔

اور آپ کی جانتے ہیں اور ہمیں کیا جانتا چلے بیٹے۔

آسیہ بھی خاموش ہو گئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ مانی

کی زبردستی کی رشاہی اسہیں پسند نہیں آئی۔ خود بیٹی کی زندگی

بچانے کے لئے اسہیں ایسا کرنا پڑا۔ اب کیا ہو گا کیا ہو گا ؟

وہ بری طرح الجھ گئی۔

کیونکہ یہ بات تو اب یقینی تھی کہ اسکی زندگی پوری طرح
برباد ہو چکی تھی۔ یہ اسے پسند نہیں کرتے۔ ہوسپتال کا تلخ
واقعہ ابھی تک ان کے ذہن پر بوجھ بنا ہوا ہے کیونکہ میں نے
انکی سخت تڑپن کی تھی۔

مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟.....

چائے پیجئے نا..... ڈاکٹر آصف اسکی طرف دیکھے

بغیر بولے۔

آسیہ نے ایک بار پھر انکی طرف دیکھا۔ اور وہ
محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی کہ دولوں کے درمیان
کوئی بہت بڑی دیوار ساکن ہے۔ اُس نے خاموشی سے
کپ اٹھا لیا۔ کچھ لمحات یوں ہی بیت گئے۔

پھر اُس نے بات کو طول دینے کی خاطر کہا۔

بچہ تو ہوسپتال میں ہی کر لیا ہو گا آپ نے۔

جی ہنسی..... فرصت نہ مل سکی۔

کہنا ناممکن گراؤں۔

یہ کونسا وقت ہے.....؟

بھوک کا دقت سے کیا تعلق.....؟

شکیبہ..... فی الحال کھانے کا کوئی ارادہ نہیں۔

آپ شاید مجھ کے رہنے کے عادی معلوم دیتے ہیں

ہاں اس معاملے میں نہایت ہی بد سلیقہ اور بد تمیز

قسم کا آدمی ہوں۔

جی..... آسیہ کے ہونٹ بری طرح رز سے وہ

اب پلکیں جھپکاتے بغیر آصف کی طرف دیکھے مبارہی

تھی۔ جو آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے ٹک

چکا تھا۔

آسیہ نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹوں کو جنبش دینی

چاہی.....؟

لیکن ڈاکٹر آصف یک بیک کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑے

ہوئے.....؟

مجھے ہاسپتال پہنچنا ہے۔ اتنا کہتے ہی وہ کمرے

باہر نکل گئے۔

اور آسیہ کا پورا وجود تھر تھرا کر رہ گیا۔

اُسکی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے اور وہ

دروازے پر لڑتے ہوئے پردے کو دیکھے جا رہی
تھی.....

اے ڈبل روٹی..... خدا اسٹالے تجھ کو....
گم بہت دن برون بھینس بنے جا رہی ہے۔ جہن گلبدرن
کو فٹ بال کی مانند اپنی طرف لڑھکتے دیکھ کر بڑبڑایا
وہ اس وقت۔ لان میں کیا یوں کو پانی دے رہا تھا۔
اے جہن راجہ..... گلبدرن تیرے آتے ہی
چپک کر بول۔

اؤ..... اؤ..... کوئی کام مت کرنا۔ چر بلیس
گھنٹے سر پہ سوار رہتی ہر ابا بیل کی طرح۔
میکوں پکواسی کر رہے ہو جہن..... گلبدرن برا
سامنے بنا کر بول۔

کیا..... جہن کا منہ حیرت سے کھلا اور بھیر

بند ہو گیا۔

دوسرے ہی لمحے اسکی آنکھیں سرخ ہوتی چلی گئیں
گالی بکتی ہو.....، وہ حلق کے بل عزایا.....
لگ..... گالی..... نن..... نہیں تر..... گلبدن
گڑ بڑا گئی۔ وہ جہن کی سرخ آنکھیں دیکھ کر بری طسرحزدیں
ہو گئی ستھی.....“

جہن اُسکی حالت دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ وہ سینے
کو پھٹا کر بولا۔ بکواس کہنا بھی گالی ہے۔ جہن پھر غرایا۔
باڈے کتے نے کاٹ لیا ہے تم کو شاید اچھے بھلے
موڈ کو متباہ کر دیا..... گلبدن سنبھلتے ہوئے بولی۔
متمیز سے بات کیہ کرو۔ میں مہتر را مجازی

خدا ہوں۔

شکل دیکھی ہے کبھی تو نے جہن آئینے میں گلبدن
تیکے تیوروں کے دوران بولی۔

کیا اب جھگڑا کرو گی.....؟ جہن نے آنکھیں
نکالیں.....“

جھگڑا تم نے شروع کیا ہے میں تو تم سے ایک

ایک بات کہتے آئی تھی۔

کیسی بات.....؟

ایک مشورہ کرنا تھا۔

مشورہ کرنا تھا..... اور وہ بھی اس جہن سے کیا
تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے گلبدن..... جہن
نے حیرت سے آنکھیں نکالیں۔

قسمت پھوٹ گئی میری تو..... گلبدن نے ایک دو
ہاتھر پیشانی پر دے مارا.....“

کیا اب سیا پا کرو گی میرا..... جہن نے اسے گھورا
سیا پا مرے ہوئے انسانوں کا کیا جانا ہے لیکن تم ابھی
میری پختانی پر سونگ دلنے کے لیے زندہ ہو۔

گھبراؤ نہیں۔ بہت جلد مرجاؤں گا تمہارے ہاتھوں
تنگ آکر..... خود تو دن بدن موٹی ہوتی جا رہی ہے
اور میں دبا ہوئے جا رہا ہوں۔

جل گئے..... وہ اپنے جسم پر ایک نظر
ڈالتے ہوئے بولی۔

میری جوتی جلے..... میں کیوں خلوں۔ جہن نے لاپرواہی

سے شازن کو جنبش دی....“

یکلخت گلبدن نے اسے گھونٹنا شروع کر دیا۔

کب اب کاٹنے کا ارادہ ہے۔

میں مہتیس کیا کہنے آئی تھی۔ وہ غرا کر بولی۔

جوتشی مہتیس ہوں کہ مہتیار سے پیٹ کی بات

معلوم کر لوں....“

تو کسی کو موقع ہی کب دیتا ہے کہ کوئی اپنی بات

تم سے کرے۔

اچھا..... اچھا..... پہلے بتا دے۔ میں

نے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں جنہیں نے اسے اپنی

مہر و فیت اور اسمیت کا احساس دلایا۔“

میں یہ کہنے آئی تھی کہ اب ہم دونوں کا یہاں گزارا

مہتیس ہوگا۔

کب مطلب.....“ جنہیں نے پانی کا سپہارہ نیچے رکھ دیا

بالکل ہی کورا ہے تو.....“

سیدھی طرح بات کر دینا ایک ادھا ہاتھ چھڑو لگا

دماغ تو خراب مہتیس ہوا مہتیار.... گلبدن تھکے لگے گئی۔

دماغ تو تمہیں دیکھ کر ہی خراب ہو جاتا ہے۔ ہاں تو

اب جلدی سے پوری بات بتا دے ورنہ.....“

ورنہ کیا.....؟

”اپنا سر بچاڑ لوں گا۔“ جمن غرا کر بولا۔

میری طرف سے جہنم میں جا..... خود ہی بھوکا مرے

گا تو بھاگے گا سر پر پارہ رکھ کر۔

سیدھی بات بتا۔ آخر تو کہنا کیا چاہتی ہے۔

اس گھر میں بیگم صاحبہ آگئی ہیں اور اب ایک ایک

پیشہ کا حساب لیں گی.....“

پھر.....“

پھر یہ کہ داؤ نہیں لگے گا۔ گلبدن سرگوشیانہ انداز

میں بولی.....“

آج صبح تو نے کیا کھایا تھا۔

تمہارا سر.....“

تب ہی اس قدر بکے جا رہی ہے اللہ میاں کی

بچش کہیں کی۔

کیا.....“ گلبدن نے بھاڑ سا منہ کھول دیا۔

کہا تو پہری ہے ۱۰۰۰۰
دیکھو جہن میں تمہاری بہت عزت کرتی ہوں۔
اگر یہ عزت ہے مرن میاں کی تو جب بے عزت کردگی تو پھر
کونسی قیامت آئے گی۔

انہ سے میں تمہاری بیوی ہوں۔۔۔
یہی تو مصیبت ہے مدد اٹھا کر سمجھتی مرضی کے انڈوں پر
بیٹھا دیتا۔ تاکہ میں بیٹہ کر کر کر کر دوں کرتی رہتی۔
گلبدن نے اُسے ایک دم سے گھورنا شروع کر دیا۔
کھ جا۔۔۔۔۔ کھ جا۔۔۔۔۔ تمہارے باپ کا
پلا پلا یا مرغا ہوں۔

مات بکواس کیا کر مجھ سے چور کہیں کا۔
اچھا اب تو چلی جا در نہ سر سچاڑو دہ لگا۔
سر سچاڑوں گا۔۔۔۔۔ بڑا آیا سر سچاڑو نے دالاطت
کو کیسے بلی کی طرح میاڈن میاڈن کرتا ہے۔
رات اور صبح میں بہت فرق ہوتا ہے تیک بخت۔۔۔!
بتا دیکھا فرق ہوتا ہے۔
ارے تو جاہل کب سمجھے گی اچھے بھلے انسان کو

چور بنائے دے رہی ہے۔
کیا تو بیزی سے پیسے نہیں کاٹتا۔ گلبدن نے آنکھیں
نکالیں۔۔۔۔۔

اسے چوری نہیں کہتے۔۔۔۔۔
پھر کیا کہتے ہیں اسے جی۔۔۔۔۔
فن۔۔۔۔۔ آرٹ۔۔۔۔۔
یہ کیا بلا ہو دے ہے۔۔۔۔۔
رہی نہ جاہل کی جاہل۔۔۔۔۔
کبھی تو پیار سے بھی لوں لیا کر ہر وقت کھانے
ہی کو دوڑتا رہتا ہے۔

جہن نے اُسے گھور کر دیکھا اور بولا۔
تو بہت اچھی ہے خوبصورت اور حسین ہے میں
ہی بیوقوف اور اٹو کا پٹھا ہوں۔۔۔۔۔ لہذا اب
دفع ہو جاؤ۔۔۔۔۔

پاگل کہیں کا۔۔۔۔۔ گلبدن نے سر کو زور سے
جھٹکا دیا اور تیزی سے ایک طرف نکلتی چلی گئی۔
بیوقوف کی بچی۔۔۔۔۔ جہن نے بڑا کر پھر سے پانی

کا پھارا پکڑ لیا۔

ابھی جہن کو زیادہ دیر کام کرتے نہیں ہوئی تھی کہ
گلبدن پھر اُدھسکی اور آتے ہی بولی۔

تم سے باتیں کرتے ہوئے بالکل بھول جاتی ہوں
کہ تمہارا سے پاس کس کام سے آئی تھی۔

فرمائیے..... فرمائیے..... میں تو پیدا
ہی آپ کی بجواسی سننے کے لئے ہوا ہوں۔

گلبدن نے اسے گھور کر دیکھا اور بولی۔
مسیر اکل سے جی مستل رہا ہے۔ اچار کھانے
کو دل چاہتا ہے۔ مجھے کسی حکیم کو دکھا مر گئی
تو روتا پھرے گا۔

جہن کا منہ کھلتا چلا گیا۔ اور وہ گلبدن کو یوں
دیکھے جا رہا تھا جیسے اُسے اپنے کانوں پر لپٹیں
نہ آیا ہو.....

اب تمہیں کیا ہوا.....؟ گلبدن حیرت سے بولی
کیا تو سچ کہہ رہی ہے؟ جہن لرزاتے ہو نٹوں کے
درمیان بولا۔

کیا سچ کہہ رہی ہوں.....؟ گلبدن بولی
یہاں کہ تمہارا جی مستل تھا ہے۔ اور تمہارا کھٹی چیزیں
کھانے کو جی چاہتا ہے۔

تو کیا ہے..... بد ہمتی ہو گئی ہو گی۔

ارمی اور نیک بخت کلن آئے رالا ہے۔ جہن چہینے
ہرے بولا۔

تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ گلبدن غرا کر بولی۔

کلن آ رہا ہے کلن سمجھی.....

تو..... تو کیا..... گلبدن کچھ کہتے کہتے
رک گئی ماسکی آنکھوں میں بڑا اہم سوال تھا۔

زندہ بار..... میری گلبدن.....
..... زندہ بار.....

شور نہ مچاؤ..... کوئی سن لے گا۔ گلبدن
گڑبڑا کر بولی.....

بس آج کے بعد تم کوئی کام مام نہیں کر دگی بس
کلن کے آئے تک آرام ہی آرام کرو۔ میں ابھی جا کر
بیگم صاحبہ سے کہتا ہوں۔

ارے جتن کئے بچے کہیں پاگل تو نہیں ہو گیب
تو..... گلبند بوکھلا گئی۔ بھلا ایسی باتیں یوں
کہی جاتی ہیں۔

پھھر کیسے کی جاتی ہیں۔

مجھے کیا معلوم..... گلبند اب شرم سے دوہری
ہوئی جا رہی تھی۔ ان کے چہرے پر کئی رنگ بدل
رہے تھے۔ جتو کا چہرہ خود چھندر ہو رہا تھا۔ وہ
خوشی سے پھولا نہیں سہا رہا تھا۔

اچانک برآمدے سے آسیہ نے اُسے آواز دی...

گلبند ذرا ادھر آنا.....
دوتوں بے ساختہ چونسکے۔

جتن جلدی سے بولا۔

مت جانا..... کوئی کام بنا دے گی۔ میں خود

جا رہا ہوں.....

ارے..... ارے..... گلبند ناچ کر

رہ گئی۔

مگر جتن کب سُنتا۔ وہ تیزی سے نکلتا چلا گیا۔

اد۔ گلبند اپنے کواڑ کی طرف سپانگ ٹھہری ہوئی۔
جی بیگم حضور..... میں آسیہ کے قریب
پہنچ کر بولا.....

گلبند کو بلایا تھا۔

مجھ سے فرمائیے..... ہر کام کر سکتا ہوں۔
میں تیزی سے بولا.....

آسیہ نے اسے تیز نظروں سے گھویا۔

نف..... فرمائیے..... میں گڑاڑا کر بولا۔

گلبند کو ہمارے پاس بھیجو۔

عرض کیا نا..... کہ وہ نہیں آ سکتی۔

کیا مطلب..... آسیہ کی کشادہ خوبصورت پیشانی
پر بے شمار سدائیں ابھرائیں۔

جی..... وہ..... بب..... بیار..... میرا مطلب

ہے کہ وہ اب کام کرنے کے لائق نہیں رہی۔

کیا ہوا اُسے.....

بب..... بچہ..... جی وہ ہونے والا ہے۔

بیوقوف کہیں کا..... آسیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

اودہ کسی حد تک جھینپ کر لولی ۔

جادو اسے مہارے پاس کمرے میں بھیجو ۔

بب..... بہت اچھا..... بیگم حضور۔ جن
گوڑا کر لولا۔

پھر وہ دباں رکا ہتھیں..... بڑی تیزی سے بھاگنے
جیسے انداز میں کراڑ کی طرٹ چل دیا ۔

آسیہ ہر ٹول ہی ہر ٹول میں بجانے کیا بڑا کر رہ گئی۔
کمرے میں پہنچتے ہی ایک بار وہ پھر جھینپ گئی ۔
جن کی باتوں کو وہ اب اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ گو کہ وہ
بے ربط سی باتیں تھیں لیکن یہی تو کہنا چاہتا تھا کہ گلاب دن اب
کام نہیں کر سکتی۔ اس کے بچہ ہونے والا ہے ۔

لاحل دلا قرۃ..... آسیہ برا سامنا بنا کر کر سی پر
جا بیٹھی.....“

ڈاکٹر آصف ضرورت سے زیادہ اپنے آپ کو مصروف
کر بیٹھے تھے۔ وہ بھی تھی کہ آسیہ کا سنا کر سنے سے کتراتے
تھے۔ ابہنیں پر بڑی امٹریٹ کا وہ تھپڑا اب بھی یاد تھبت جو اسے
سے اچانک عادمے کی بنا پر ابہنیں رسیو کرنا پڑا تھا۔ اودہ
وہ الفاظ اب بھی انکا مسکون چھینے ہوئے تھے۔ کہ بدتمیز.....
اندھے ہو گیا۔

البتہ جو سپٹل کا واقعہ کچھ اور نوعیت کا تھا۔ آصف اسے
زیادہ ۱۵ مہینے نہیں دے رہے تھے۔ مگر پر بڑی امٹریٹ
نے تو ابہنیں ذہنی طور پر مضبوط کر دیا تھا۔

کیسی ستم ظریفی تھی کہ ایک ٹرکی جو اسے سر بازار ذلیل
کر کے اودہ تھپڑا کر لولی نکل جائے جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو

اور بعد میں وہی ٹرکی بیوی کے روپ میں اس کے سامنے آجائے تو
انسان ذہنی طور پر مغلوب یا پرانگندہ نہیں ہوگا تو کیا
ہوگا.....

ڈاکٹر آصف اب اسے کسی حالت میں بھی قبول کرنے سے
قاصر تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ اسکی عزت اور احترام کرنے
پر مجبور تھے کیونکہ اس ٹرکی نے ان کی بیٹی کی جہان بچائی
تھی.....

بڑا عجیب اور کھٹن مرحلہ انگیا تھا۔ جیسے ڈاکٹر آصف کو کشت
کے باوجود بھی صل نہیں کہلا رہے تھے۔

یہ ایک افسانوی بات تھی۔ کوئی بھی انسان ایسی بیوی کے
قریب جاتے ہوئے اپنی سبکی اور توہین محسوس کرتا جس
نے شادی سے قبل اسے جی بھر کر ذلیل کیا ہو۔ حالانکہ ہو سہیل
کا واقعہ بھی کچھ کم نہیں تھا۔ لیکن آصف اسے اس لئے نظر
انداز کر دینا چاہتے تھے کہ انہوں نے اس وقت خود
بھی ادھار اتار دیا تھا۔

مگر اب وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ جس واقعہ سے وہ
پریشیاں ہیں وہ تو اسیہ کو یاد تک نہیں اچکے وہم و گمان

میں یہ بات نہیں کہ جسے اس نے تھپڑ مارا تھا وہ ہی ڈاکٹر
آصف تھے۔ دراصل اسیہ نے اس وقت ان کا چہرہ
خود سے دیکھا تک نہیں تھا لیکن ڈاکٹر آصف یہی سمجھ
رہے تھے کہ اسیہ جانتی ہے۔

عجیب کھیل شروع ہو چکا تھا۔
عجیب ذہنی کشمکش کا دور تھا۔

اس وقت مافی کو آسیدان میں کرسیاں ڈالے
و موپ سینک رہی تھیں۔ اسیہ اپنے گھر واپس
جاسکی تھی۔ اسیہ کسی میگزین کو سامنے رکھے اس کے
دورق پھیر پھرا رہی تھی اور مافی اسکول کی کتابوں
میں غرق تھی۔

اچانک..... ڈاکٹر آصف آج بے وقت ہی آج گھر
لوٹ آئے۔

سب سے پہلے اسیہ کی نظر ان کی ٹاڈی پر پڑی تھی
جو بڑا مسرے کی بڑی دوستی پر آ رہی تھی۔ مافی نے بھی انہیں
دیکھا۔

ابو..... مافی بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

آسیہ خاموشی سے انکی طرف دیکھتی رہی۔ مانی اٹھ کر ان کی طرف پرہ سو گئی تھی۔

ڈاکٹر آصف دروازہ کھول کر جب باہر نکلے تو اڑکھڑا گئے آسیہ نے بھی اہٹیں لڑا کھڑاتے دیکھا تھا۔
ڈاکٹر آصف کو تیز بخار تھا۔ مانی نے کچھ پوچھا تھا

ان سے

پھر وہ مانی کا سہارا لیکر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

آسیہ سب کچھ دیکھتی رہی اور کوشش کے باوجود وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھ سکی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ کیا بات ہوئی ہے۔ وہ اس قدر بری طرح لڑکھڑائے گیوں ستھ۔ مانی کا اہولہ نے سہارا بھی تو لیا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد..... اُسے مانی انکے کمرے سے نکلتی نظر آئی۔

وہ بڑی تیزی سے آسیہ کی طرف آ رہی تھی۔ اسکی غیر فطری رفتار دیکھ کر آسیہ کا دل لرز اٹھا تھا۔ اُسے یقین

ہو گیا تھا کہ کچھ کچھ غیر معمولی واقعہ ضرور رونما ہو چکا ہے۔

مانی جیسے ہی آسیہ کے قریب پہنچی تڑپ لی۔

ابو کو بہت تیز بخار ہے آپ ان کے پاس چلی جائیں میں ابو کے لئے گلاب دھو کر دے دلیہ بنوائی ہوں۔

آسیہ نے اسیکی کوئی جواب دیا بھی نہیں تھا کہ مانی تیزی سے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

آسیہ کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ڈاکٹر آصف کا موجودہ رویہ دیکھتے ہوئے ان کے پاس

جائے یا نہ جائے۔ اور سوچنے کے ساتھ ساتھ قدم غیر ارادی طور پر ان کے کمرے کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔

کچھ لمحوں بعد وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی۔

ڈاکٹر آصف سہری پر دراز تھے۔ انکی آنکھیں بند تھیں اور چہرہ رخ ہو رہا تھا۔

آسیہ کا دل دھک سے دھک رہا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میسر می کے قریب چلی آئی۔ پسند لیو کھڑے

رہنے کے بعد تھوڑا سا جھکی..... ہاتھ بڑھایا اور آصف کی پیشانی پر رک گیا۔ بڑا تیز بخار تھا اس کا ہاتھ

ہی تو مل گیا۔ اس نے لڑکھٹا کر ایک دم سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔۔۔۔۔“

ادھر آصف نے اپنی پیشانی پر ایک دڑنی اور نرم دناؤ کا ہاتھ محسوس کر کے آنکھیں کھولیں اب جو آسیر کا نہرہ چہرہ انہوں نے اپنے اوپر جھکے ہوئے دیکھا تو انہوں نے زبردستی مسکرائے کی کوشش کی

معمولی سا بیمار ہے ابھی اتر جائے گا۔

معمولی سا۔۔۔۔۔ آسیر کے ہونٹ لڑے۔

ڈاکٹر آصف نے جواب دینے کی بجائے پھر آنکھیں

بند کر لیں۔

م۔۔۔۔۔ مجھے بتائیے کہ میں آپ کے لئے کیا

کروں۔ آسیر کے ہونٹ بری طرح لڑے۔

آصف نے آنکھیں کھول کر بڑے غور سے آسیر کی

طرف دیکھا اور آسیر لڑتے ہوئے ہونٹوں کے درمیان کچھ

کچھ کہتے کہتے رہ گئی۔

کیا کر سکتی ہیں آپ میرے لئے۔ وہ مدد ہم سی آواز میں بولے

ب۔۔۔۔۔ بتا دیجئے آپ ڈاکٹر ہیں اور میرے لئے

یہ سچوایشن بالکل نیا ہے۔

معمولی سی حراست ہے۔ ڈاکٹر آصف بات اڑا گئے۔

آپ کا چہرہ بخار سے آگ جھلک رہا ہے۔

اُس نے پتھر سے زیادہ سرخی پیدا نہیں ہوئی ہوئی وہ ایک دم روانی میں کہہ گئے۔

جج۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ آسیر کچھ نہ سمجھتے ہوئے ہوتی ہو کر رہ گئی۔

جج۔۔۔۔۔ ڈاکٹر آصف نے جی طویل کرتے ہوئے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

آسیر ان کا تلخ جملہ سن کر خشک پتے کی مانند سفر قمر کر رہ گئی تھی۔

میں سمجھی نہیں کہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟

تو پھر ایک احسان کیجئے۔ ڈاکٹر آصف سرخ ہوتے ہوئے چہرے کے درمیان بولے۔

فف۔۔۔۔۔ فرمائیے۔

مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔

کک۔۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔۔

آپ کی موجودگی میرے لئے بڑی عبرت آ رہی ہوگی۔

آپ یہ کا دل کٹ کر نکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

گنہا عجیب انسان تھا۔ بجائے اس کے تنگی گزارا وہ

احسان مند ہونے کے لغزت کا اظہار کر رہا تھا۔

آخر کو آسپہ نے انکی بیٹی کو نئی زندگی دی تھی۔ اپنی

جوانی ایک شادی شدہ مرد کے لئے وقف کر دی ہے۔ اپنے ارمانوں

اور خواہشات کا گلا گھونٹ کر وہ اس بھرتک چلی آئی تھی۔

تو اسکی قربانیوں کا یہ بدلا تھا۔۔۔۔۔ جو ڈاکٹر اصف

اسے دے رہا تھا۔ آخر وہ مجھ سے لغزت اس وجہ سے کر رہی ہے

میں کہ میں نے ان کے ساتھ ہوسپٹل میں کچھ زیادتی کی تھی بلکہ

تو کوئی ایسی بات نہیں۔

ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ انہوں نے بھی تو مجھے بری طرح

بے عزت کیا تھا۔

آسپہ سوچ رہی تھی کہ بڑا احسان فراموش انسان ہے

”وہ نہایت ہی خود پسند واقع ہوا ہے۔ میری ذرہ بھر بھی اس

کی نظروں میں عزت نہیں۔

اس کے دل میں درد کی ایک لہر سی اٹھی۔ اور اس کا

دل چاہا کہ یہاں سے بھاگ کر اس جگہ سے ہی نکل جائے

مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ البتہ ڈاکٹر اصف کے کمرے سے

نکل کر۔ اپنے کمرے میں اگر مسہری پر لیٹ گئی۔

آپ کی موجودگی میرے لئے بڑی عبرت آ رہی ہوگی۔ آسپہ

کے ذہن میں ایک چنگھٹ سی پھوٹی۔

”مجھ پر ایک احسان کیسے.....“ دوسرا ذہنی

جھٹکا.....“

اس تھپڑ سے زیادہ میرے چہرے پر مرنی

پیدا نہیں ہوئی ہوگی.....“ پھر ایک

مشدید جھٹکا.....

کیسی مرنی..... کیسا تھپڑ..... کیا

کہہ رہے تھے وہ.....“

کس معیبت میں جہان آ پھنسی ہے میری....

... کیا گناہ کیا ہے میں نے۔ وہ جلتے اور سسکتے ہوئے

ذہن کے ساتھ سوچے جا رہی تھی۔

کسی کوٹ بھی تو اسے چین نہیں تھا۔

اس کا بار بار دل چاہا کہ یہاں

سے مہیاگ جائے۔ لیکن کوئی انجان ملقت اُسے
ہر بار دو کے مبارک ہی تھی.....“

بچہ اُڑنے کی بجائے اُڑ بڑھ گیا تھا۔
مائی باپ کی حالت دیکھ کر بے حال ہوئے جا رہی تھی۔
ادھر آسید اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔
گلبدن نے دلیر تیار کر دیا تھا لیکن ڈاکٹر اصف نے ایک
چمچ بھی ملنے سے بچے اترنے نہیں دیا تھا۔
حالت سرسامی تھی۔ وہ نیم بہوشی کی حالت میں کہیں کہیں
کچھ نہ کچھ بڑبڑا دیتے تھے۔
مائی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کیے اس نے ہر پہلو
ڈاکٹر خندہ کو ٹیلیفون کر دیا تھا۔ کچھ دیر قبل وہ انجکشن لگا کر جا
چکی تھی۔

مائی گورہ رہ کر آسید پر حیرت ہو رہی تھی۔ بات ہی ایسی

تھی۔ ابو کی حالت اس قدر خراب ہے اور وہ اپنے کمرے میں آرام
نہ کر رہی تھی۔

کافی انتظار کے بعد حبیب مانی کے صبر کا پیمانہ چیلک اٹھا
تو وہ تیزی سے آسیدہ کے کمرے کی طرف بڑھی۔
"دے دیتے بغیر وہ اندر گھسٹی چلی گئی۔"

آسیدہ اس وقت ایزی چیئر پر نیم دراز تھی۔ آنکھیں
بند کئے وہ سنانے کن خیالات سے کھیل رہی تھی۔
مانی کے قدموں کی آواز سن کر اس نے آنکھیں کھولیں
اس سے قبل کہ مانی کچھ کہتی آسیدہ بول پڑی۔

تمہارے ابو کی طبیعت اب کیسی ہے۔؟
میرے ابو کی طبیعت کیسی ہے.....؟ مانی نے دل میں
آسیدہ کے مجھے کو دہراتے ہوئے ایک چوٹ سی محسوس کی۔
آپ کو اس وقت ابو کے پاس ہونا چاہیے تھا مانی
آہستہ سے بولی۔

کیا طبیعت زیادہ خراب ہے آسیدہ جان بوجھ کر مانی کے
سوال کو نظر انداز کر گئی۔

وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔

کسی ڈاکٹر کو بلوایا ہوتا۔
ڈاکٹر فرخندہ تشریف لائی تھیں۔
بھڑ..... آسیدہ کو عجیباً استفسار کرنا پڑا۔
انجکشن دے کر چلی گئیں۔

کیا تمہیں میری درد کی ضرورت ہے۔
مجھے نہیں..... ابو کو ہے مانی ذہنی طور پر کہہ کر بولی
آسیدہ کا دل چاہا کہ کہہ دے۔ اب نہیں میری ضرورت نہیں...
میری موجودگی ان کے لئے عہدِ زما ہوگی..... میری موجودگی وہ
بداشت نہیں کریں گے۔

لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ بچی کے دل کا خیال کرتے ہوئے وہ
اپنے اوپر زہر کرے گی۔

چلو میں اب نہیں دیکھتی ہوں۔ اسے عجیباً مانی کے ساتھ جانا۔
پڑا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئیں تو ڈاکٹر آمدت سرخ سرخ آنکھوں
سے دواخانے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

جیسے ہی ان کی نظر آسیدہ پر پڑی وہ پوری قوت سے پیچ پیچ
گٹ آؤٹ..... آواز کیا تھی ایک پیچ تھا جس سے کمرے
کے دروازے تک لرزا اٹھے۔

مانی بڑھلا کر کئی قدم بھی ہٹ گئی تھی اس نے لڑتی ہوئی
لگا ہوں سے آسیر کی طرف دیکھا اور پھر ڈاکٹر آصف کی طرف...
”آسیر بڑا کفر کر رہا ہے نہ لکھ گئی تھی۔“

اس کا دل ہی تو کدہ بن گیا تھا وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدوں
سے پتے کمرے کی طرف چلی جا رہی تھی۔

ڈاکٹر آصف نے پھر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

مانی دیوار کے ساتھ لگی تھر تھر کانپتی رہی جب ڈاکٹر
آصف نے دوبارہ آنکھیں نہ کھولیں تو وہ خود بھی اپنے آپ کو
سنبھالتے ہوئے باہر نکل آئی۔ اس کا رخ آسیر کے کمرے کی طرف تھا۔
ابو کو کیا ہو گیا ہے امی۔ وہ دروازے کے پٹ کا سہارا
لے آسیر سے کہہ رہی تھی۔ اسکی آواز بھرائی ہوئی تھی جیسے اب
روٹی کر اب...“

اسا سیر وہ دونوں باتوں سے اپنا چہرہ چھپائے کر سی پر بیٹھی
ہوتی تھی۔ مانی کی آواز سن کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے
سے ہٹائے۔

ابو کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ پہلے ایسے تو نہیں تھے۔
مانی کی گرتی ہوئی حالت دیکھ کر آسیر پناہ کو بھون گئی۔

اسے اس بجی سے بے پناہ محبت ہو گئی تھی۔ اس نے اس کے
بڑھ کر مانی کو اپنے ساتھ چٹایا۔

امی..... مانی بے ساختہ رو پڑی۔

تمہارے ابو ہر ش میں نہیں ہیں مانی ماہوں نے پہلے
بھی مجھے کمرے سے نکال دیا تھا۔ لیکن میں نے سہنیں نہیں بتایا
تھا..... دو مری بار پھر تمہارے کہنے پر وہاں چلی گئی اور
نم نے دیکھا کہ میری موجودگی کی وجہ سے وہ کس طرح خسیخ اٹھے تھے
آخر ایسا کیوں ہوا.....؟

خدا کی قسم..... میں نہیں جانتی مانی..... آسیر اسے
سینے سے چٹائے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

پھر مانی کو اپنے سینے سے علیحدہ کرتے ہوئے اُس نے کہا
جاؤ ڈاکٹر کو ایک بار پھر فون کرو۔

ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر خود ہی آئیں گی۔ مانی ہاتھ دے کر
بولی...۔

ہوں..... حوصلہ کرو۔ تمہارے ابو کو صرف بھارہ ہے۔
لحد حالت سرسامی ہے۔ ٹھیک ہو جائیں گے۔ ہم جوار ان کے
قریب رہو۔ پندرہ بیس منٹ بعد مجھے دپوٹ دیتی رہنا۔

ڈاکٹر آصف کو کیا ہو گیا ہے۔؟

میں تو اسے ہر قیمت پر خود ہر تسلیم کر چکی ہوں۔
وہ ایک وجہ بہت اہمیز شخصیت کا مالک ہے کوئی
بھی جو ان کی اسکی قربت سے افکار نہیں کر سکتی۔
مگر..... یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔
مجھ سے اس قدر نفرت کیوں کرتے ہیں۔
آخر کیوں.....؟

اس کیوں کا جواب آسیر سے پاس نہیں تھا۔
وہ کسی کھولتے ہوئے لادے کی طرح اندھ ہی اندھ پک رہی
تھی.....؟

مانی ہر پندرہ منٹ بعد اسے رپورٹ دے رہی تھی۔
رات دس بجے جب مانی نے اسے اگے بتایا کہ اب یہ ہر ش
ہو چکے ہیں اور ہسپتال سے ایک نرس اور ڈاکٹر مرنز خندہ کمرے
میں موجود ہیں تو آسیر نا چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔
تقریباً ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر آصف کا بخارا ترنا شروع ہو گیا
پھر تمام رات آصف بے خبر سوتے رہے مگر آسیر نے
یہ رات اسکی تیمارداری کرتے ہوئے گزار دی۔

مانی نے بڑی عجیب سی نظروں سے آسیر کی طرف دیکھا
پھر وہ لڑکھڑاتے ہوئے یا ہر نکل گئی۔

اور آسیر جلتے ہوئے وجود کے ساتھ پھر کمری پر گر گئی۔
اُٹ! کیسی دلدل ہے یہ..... کس عذاب میں جان آپھنس رہی ہے
اور یہ..... کیسی شادی تھی۔؟

کس قدر عجیب و غریب؟ نہ شہنائی بجی..... نہ بات
آئی۔ اور نہ ہی میں دلہن بنی۔ کسی کو کانوں کان خبر تک
نہیں ہوئی۔ اور میری شادی ہو گئی۔

اور یہ سب کچھ ایک بچی کی خاطر ہوا۔ یہ سب ایک
بچی نے کیا۔

کس قدر عجیب و غریب ہے یہ لڑکی مانی بھی۔
جنون کی حد تک مجھے چاہا..... موت کی دہلیز تک جا
پہنچی..... اور میرے دل میں اپنی محبت پیدا کر گئی۔

اور اب..... میں دلدل میں سمٹ چکی ہوں۔
ایک طرف مانی کی محبت..... اور دوسری طرف ڈاکٹر
آصف کی نفرت.....؟

محبت اور نفرت اور آگ کا گھیل کیا کسی کی جان لگیا۔

آسیہ نے مانی کو آرام کرنے کیلئے کہہ دیا تھا۔ - نہیں
بجے کے قریب مانی ٹمپتر پچر نوٹ کر کے مٹھائیں ہو گئی تھی۔ اور
پھر وہ آسیہ کے اصرار پر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔
مگر آسیہ اب بھی بیدار تھی اور ڈاکٹر آصف بے خبر
سو رہے تھے۔ آسیہ نے ان کا جسم اچھی طرح لحاف
میں لپیٹ دیا تھا۔

قریب ہی گرسی ڈالے وہ بیٹھی رہی کہ مبادا کہیں
بیدار ہو کر پانی وغیرہ مانگ لیں۔
مگر ڈاکٹر آصف بیدار نہ ہوئے۔ - صبح ہو رہی تھی
تقریباً پانچ بجے کے قریب آسیہ کی گرسی پر بیٹھے
بیٹھے آنکھ لگ گئی۔

پونے چھ بجے کے قریب ڈاکٹر آصف نے کمرہ
بدلی۔ جو نہی آنکھ کھلی تو سب سے پہلے انہیں آسیہ
کا خوبصورت چہرہ نظر آیا جو سردی میں بغیر کسی کمبل کے
گرسی پر بے خبر سو رہی تھی۔

ڈاکٹر آصف پوری طرح بیدار ہو گئے تھے۔ اور آسیہ
کے خوبصورت اور معصوم چہرے کو دیکھتے ہی چلے گئے۔

آج اس وقت بڑے غور سے آسیہ کے چہرے کی
طوٹ دیکھ رہے تھے۔ اور ذہن میں صرف ایک ہی خیال متا
کہ..... کیا..... یہ لڑکی صرف میرے لئے رات بھر
جاگتی رہی۔

صرف میری خاطر..... اس قدر تیار رہا کرتی رہی
اب..... کہیں یہ دھوکہ تو نہیں۔

میں نے اس کے چہرے پر کبھی غم کے بادل کوئی
برسنے والی گھٹا نہیں دیکھی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ یہ تمام
رات جاگ کر میری خدمت کرے۔ اور میرے لئے..... پوری
رات..... میری دلالت..... غارت کو لے۔

بغیر کسی گم کپڑے کے نیم دلائے حالت میں کیسے سو رہی ہے؟

جیسے کسی آرام وہ بستر پر ہو۔ یقیناً اس نے زندگی میں کبھی اس قسم کی رات نہیں کافی ہوگی۔

”اچانک..... آسبہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جو آصف کو یوں اپنی طرف دیکھتے پایا تو وہ سنبھل کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور بغیر کسی تاثر کے بولی۔

”سوری..... ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔ اب طبیعت کیسی ہے آپ کی.....؟ کسی شے کی ضرورت تو نہیں۔

یہ گرتی صرف بیٹھنے کے لیے ہے۔ سونے اور آرام کرنے کے لیے نہیں..... آصف جان بوجھ کر یوں بولے۔

آسبہ نے خمار آلود نگاہوں سے عجیب انداز سے ان کی طرف دیکھا۔ اور وہ نگاہیں کچھ ایسی ہی تھیں کہ ڈاکٹر آصف نہ جانے کیوں نظریں چرانے پر مجبور ہو گئے۔

مانی کہاں ہے.....؟ وہ خواہ مخواہ سوال کر بیٹھے۔ اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔

آپ بھی جائیے۔ آرام کیجئے۔ میں ٹھیک ہوں..... خواہ مخواہ آپ نے زحمت اٹھائی۔

میں آپ کی بیوی ہوں۔ آسبہ جل کر بولی۔

معلوم ہے..... وہ رخ پھیرتے ہوئے بولے۔

کیا آپ کو میرا پہلا بیٹھا ناگوار گزر رہا ہے۔

ایسی بات تو بہنیں البتہ.....

البتہ کیا.....؟

آپ کے آرام کا خیال ہے آپ شاید رات بھر جاگتی رہی ہیں احساں کرنے کے لئے بہنیں اپنا فرض سمجھ کر رہا گئی

رہی ہوں۔

اس خلوص کا شکریہ.....!

آکسیہ نے بڑی بے بسی سے ہونٹ چبا ڈالے۔

پھر وہ دھیرے سے بولی۔

آپ کے لئے کچھ بنا کر دوں۔

کیا.....؟

جو آپ پسند کریں۔

جائے مل جائے تو بہتر ہے۔ ڈاکٹر آصف بڑا کر رہ گئے۔

آسبہ تیزی سے اٹھی اور باہر نکلتی چلی گئی۔

ڈاکٹر آصف کی پشت پر نظریں جمائے اسے کمرے سے جاتے

دیکھتے رہے۔ پھر بہنیں اس بات پر حیرت ہوئی کہ دس منٹ کے

اندر اندر آسیہ کی واپسی ہوئی تھی۔ اُس کے ہاتھوں میں چائے کی پیالی تھی۔

شاید وہ خود ہی باورچی خانہ میں تیار کرتے بیٹھ گئی تھی۔ ڈاکٹر آصف کے ذہن کو جھٹکا سالگا اور وہ کسی حد تک تکیے کا سہارا لے کر بیٹھ گئے اور بولے۔

کیا آپ نے خود تیار کی ہے۔

ملازم ابھی اُٹھے نہیں۔ آسیہ نے سپاٹ چہرے کے دوران کہا۔ اس وقت اس کے چہرہ پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ سپاٹ سا چہرہ..... جو ہر قسم کے جذبات و تاثرات سے یکسر عاری تھا۔ مجھے حیرت ہے..... ڈاکٹر آصف اس کے ہاتھ سے پیالی لیتے ہوئے بولے۔

آپ کو کس بات پر حیرت ہے۔

آپ کی ذرہ نوازیوں پر.....

آپ کو مجھے ہر بار یہ احساس دلانا پڑتا ہے کہ میں ایک بیوی ہوں۔ آسیہ ہونٹ بچھنچ کر بولی۔

”اوہ.....“ ڈاکٹر آصف ایک گہری سانس لے کر رہ گئے۔

آسیہ بچھ کر سی پر بیٹھ گئی۔

وہ ہلکے ہلکے گھونٹ لیتے رہے۔ بالآخر انہوں نے پیالی خالی کر دی اور آسیہ کی طرف بڑھا دی۔

اور لاؤں.....

سہیں شکر.....

ایک آدمی اکپ اور پی لیجئے۔

کیا..... زبردستی..... ہاتھ نے مسکرانے کی کوشش کی.....

بیس گھنٹے سے آپ نے کچھ کھایا یا پیا نہیں۔ آسیہ کا انداز سرسری تھا۔

فی الحال ضرورت محسوس نہیں کر رہا۔

اب طبیعت کیسی ہے؟

ٹھیک ہے۔ اور.....

فرمائیے..... فرمائیے۔

آپ کی آنکھیں بینڈ سے جھکی جا رہی ہیں اور اگر کچھ آرام کرتیں تو بہتر تھا۔

آسیہ بے دلی سے مسکرا دی۔ اس کا دل چاہا کہ کہہ

دے کہ جب سے دلہن بن کر اس گھر میں آئی ہوں۔ آرام ہی تو
کر رہی ہوں۔۔۔۔۔“

ایسا آرام کہ دن رات کا سکون دے گیا۔ جیسے کسی مردے
کو گفن میں لپیٹ کر آگ میں پھینک دیا گیا ہو۔

شکریہ.....! میں اس وقت بھی آرام سے ہوں۔۔۔“

وہ صرف اتنا کہہ سکی۔۔۔۔۔“

ڈاکٹر آصف صرف سر ہلا کر رہ گئے۔

آسیہ پھر بولی۔

اگر کچھ کھالے کو دل کر رہا ہو تو دلیر بیمار کروں۔

آپ پہلے ہی رات بھر تکلیف اٹھا چکی ہیں۔

اس بار آسیہ نے اہٹیں گھور کر دیکھا اور بولی۔

آپ میری حیثیت اور اہمیت کو نظر انداز کیوں کر رہے

ہیں.....“

”جی..... آصف چونکے۔

میں آپ کے گھر آئی ہوں کوئی مہمان نہیں ہوں۔ آپ

کی بیوی ہوں۔

اگر مجھے مسلسل آپ کے لئے تمام زندگی بھی شب بیداری

کرنا پڑ جائے تو اسے بھی اپنی خوش نصیبی جانوں گی۔
ماشا اللہ!..... آصف مسکرائے بغیر نہ
رہ سکے۔

آسیہ نے تیزی سے پلکوں کو جھپکا اور بولی۔
جی.....“

بہت اچھے خیالات ہیں آپ کے۔ لیکن.....“

لیکن..... کیا.....؟

آپ ماضی میں میرے ساتھ بہت زیادتی کر چکی ہیں۔

ہوسپٹل میں.....؟

اُس سے پہلے بھی۔

اُس سے پہلے..... میں سمجھی نہیں کہ آپ کس

بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

آصف نے اُسے گھور کر دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے

اس نے سوچا کہ یہ لڑکی کس قدر بن رہی ہے۔ ٹھپڑ

مار کر کس قدر معصوم بننے کی کوشش کر رہی ہے۔

بتائیے نا..... آپ کھل کر گفتگو کیوں نہیں کرتے۔

پریسڈی اسٹریٹ یا رہے آپ کو۔ آصف کا ذہن جھنجھلا

گیا تھا....

پریسٹری اسٹریٹ..... "آسیہ بڑبڑا کر رہ گئی۔ اس کی پیشانی پر سوچ و بچار کی بے شمار شکنیں ابھر آئی تھیں۔ پھر دوسرے ہی لمحے خالی خالی نظروں سے ڈاکٹر آصف کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

ڈاکٹر آصف بغور اس کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہاں انہیں کچھ بھی نہ ملا سوائے الجھن اور سوچ و بچار کی لکیروں کے..... میں اب بھی نہیں سمجھی..... آسیہ الجھے ہوئے انداز میں بولی۔

"وہ تھپڑ تو نہیں بھولی ہوں گی۔ آصف الفاظ چبا کر بولے.....

تھپڑ..... کیسا تھپڑ..... خدا کے لیے آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے پہیلیاں کیوں بچھا رہے

ہیں.....؟ آصف کا ذہن بڑی طرح پرگندہ ہوا۔ وہ کنکھیوں سے آسیہ کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ بالآخر وہ ایک

گہری سانس لے کر بولے۔

مافی اب ٹھیک ہے..... مجھے آپ کے مستقبل کی فکر ہے۔ آپ کے ساتھ اس بچی نے بہت زیادتی کی ہے۔ جس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو خوشی سے طلاق دے سکتا ہوں۔

جج..... جی..... آسیہ کے دل پر ایک زوردار گھونسہ پڑا اور اس کا وجود ایک خشک پتے کی مانند تھرتھرا کر رہ گیا۔

اس کی آنکھیں کرب سے سکڑ گئیں تھیں اور مونٹ، اس طرح کچھ کہنے کے لیے لرز رہے تھے جیسے آصف کے اس ایک جملے نے اس کی قوت گویائی تک چھین لی ہو۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے آصف کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔۔۔۔۔

اور آصف جو ذہن کا بوجھ اتارنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ مزید بولے:-

ہاں میں جانتا ہوں کہ میں آپ کو خوش نہیں رکھ سکتا اور آپ نے بھی ایک بچی کی زندگی بچانے کے لیے ایک

بیت بڑی قربانی دے ڈالی جس کا میں مشکور ہوں۔ مگر یہ
سب منہلے..... جو جلد باز می میں کئے گئے جذباتی
فوغیت کے تھے۔ لہذا اب بھی آپ اپنا دامن بچا سکتے ہیں
ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ آپ اپنی لپٹ کی شادی کر سکتی
ہیں.....“

اسیہ کا اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اتنی
شدت سے اس نے دانت پر دانت سمبائے تھے کہ اس کے
ہلکے کی رگیں تک اس پر گھس گئیں۔ خوبصورت رگیں جن سے خون
کی گردش صاف نظر آ رہی تھی۔

اور..... کچھ..... وہ آصف کو رکے دیکھ
اس کی بری شکل سے بولی۔

اور..... آصف نے لفظ ادد کہ جبا ڈالا پھر
کچھ توقف کے بعد بولے۔

پریڈی اسٹریٹ کے فنٹ پاتھ پر آپ نے کچھ عرصہ
قبل ایک انسان کو سٹپڈ مارا تھا کیا آپ کو یاد ہے۔
اسیہ نے ایک دم بھر چھری سی لی اور بولی۔
ہاں مجھے اچھی طرح یاد آگیا۔ لیکن وہ جان بوجھ کر مجھ

سے ٹکرا گیا تھا۔ اور میں نے اُسے اس کی بدتمیزی کی سزا
دی تھی۔ مگر آپ کا اس واقعہ سے کیا تعلق.....؟ آسیہ
لرزتے ہوئے ہونٹوں کے درمیان بولی۔

تعلق..... آصف نے پوری قوت سے فلک شگاف
قہقہہ لگایا۔ وحشت سے بھرپور قہقہہ جس سے درودیوار
تک جھنجھٹا کر رہ گئی۔

اسیہ بوٹھا کر ایک دم کھڑی ہو گئی۔
آ..... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ وہ بُری طرح
نروس ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر آصف اس کی طرف بڑی عجیب نظروں سے دیکھے
جارہے تھے۔ آخر کچھ توقف کے بعد بولے۔

جانتی ہیں۔ وہ کون مہنتی ہے؟
خدا کی قسم..... بالکل نہیں جانتی..... مگر غلطی
اس کی تھی۔

آصف کا جسم بُری طرح تھرتھرا رہا..... اب اُسے
پوری طرح یقین ہو گیا کہ آسیہ جھوٹ نہیں بول رہی۔ ہو سکتا
ہے اُسے جلدی میں مجھے پوری طرح نہ دیکھا ہو۔ ورنہ یہ ٹوٹ کیوں

کیوں.....؟

میں نے شاید اُس وقت غصے کی حالت میں ان کے چہرے کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔
لیکن ٹھپڑ آپ نے ضرور مار دیا تھا.....

اگر آپ اس وجہ سے مجھ سے ناراض ہیں تو میں آپ کے دوست سے معافی مانگ لوں گی۔

معافی..... آصف کا دل اچھل کر جیسے پسلی میں آدھڑکا ہو۔

ان کا دل چاہا کہ دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لیں.....

ایک معمولی سی بات پر وہ کس قدر بھیانک قدم اٹھانے والے تھے۔

اور جس بات کی انہیں خفت اٹھانی پڑ رہی تھی۔
اور آسیہ کا سامنا کرتے ہوئے کتراتے تھے....
اور.... جو ان کے لیے ذہنی خلقتار بن چکی تھی۔ وہ

آتی..... پھر وہ مزید بولے۔

وہ میرے بہت عزیز دوست ہیں۔ آصف کو عجوبہ بولنا پڑ گیا۔ اب وہ کسی لحاظ سے بھی اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ آسیہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ تھپڑ کھانے والے ہم ہی تھے۔

آپ کے دوست...

جی ہاں میرے دوست مہنوں نے آپ کے بارے میں مجھے بہت سی باتیں بتائی تھیں۔

میرے بارے میں..... باتیں..... لیکن بخدا میں انہیں قطعی نہیں جانتی۔ آسیہ فزوس ہوتی چلی گئی.....

کیا اُسے آج میں کوٹھی پر بلالوں؟
کوٹھی پر.... آسیہ متوک نکل کر بولی۔
ہاں.... کوٹھی پر.... ادب آسیہ کیا آپ اسے پہچان لیں گی۔
نہیں..... آسیہ کے ہونٹ کھپکھپاتے۔

بات اُسیہ جانتی بھی نہیں تھی۔

اسی بار جواہروں نے اُسیہ کی طرف دیکھا تو اسکی ندامت کے حصار میں ڈوبی ہوئی آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔

اُسیہ کرسی چوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی ایک سب پور نقشہ آفت پر ڈال کر دروازے کی جانب بڑھ گئی۔
بٹنے..... ڈاکٹر آصف کی آواز میں کافی لچک تھی.....

اُسیہ رگ گئی..... پھر جواہری اس نے پلٹ کر دیکھا
ڈاکٹر آصف بولے.....

آپ کا پتھر کھاتے والی بدتمیز ہستی میری تھی۔
ڈاکٹر آصف کے الفاظ کھپا بارود تھے۔ جو کمرے میں ایک دھماکے سے پھٹ پڑے تھے۔

اُسیہ کا پورا وجود تھر تھرا کر رہ گیا تھا اس کے ہنٹ بری طرے لرزے.....

آپ.....!

جی میں..... کیوں آپ کو یقین نہیں آیا۔

اللہ..... اُسیہ کے ہونٹوں سے بے ساختہ
مکھ گیا اور وہ کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔
اور ڈاکٹر آصف کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ
اپنے اندر بہت سے رنگ لئے ہوئے تھی۔ خوش آئند
مستقبل کے رنگ..... جیسے ان کے ذہن سے
ایک بوجھ اُتر گیا ہو۔ اور جلتے ہوئے وجود پر جیسے
کسی نے مرہم رکھ دیا ہو۔

نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا -
خدا کی قسم مانی ہمیں کچھ یاد نہیں -
مگر میں جھوٹ تھوڑی بول رہی ہوں - آپ نے زیادتی
کی ہے اور پھر میں محسوس کر رہی ہوں جیسے آپ امی
جان کو پسند نہیں کرتے -

ارے نہیں بھئی بھلا مانی بیٹی کی پسند کو ہم
نا پسند کریں - یہ کیسے ممکن ہے -
پھر آپ دونوں کے روپے استفادہ اچھے اچھے کیوں ہیں -
اگر تم نے ایسی کوئی بات محسوس کی ہے تو لاؤ اپنی امی
کو پکڑ کر ہم ان سے معافی مانگ لیتے ہیں -
ہم کیوں لائیں مانی مسکرا کر بولی -
تو پھر کون لائے گا -

آپ مانی مسکرائی
لاحول ولا قوۃ ڈاکٹر آصف جھینپ کر رہ گئے -
امی اپنے کمرے میں ہیں - مانی بولی -

پھر ہم کیا کریں
ابو! اگر انہیں کسی بات پر تکلیف پہنچی تو خدا کی قسم ہم اپنا گلا

صبح ہوئی تو مانی سچول کی مانند کھل گئی -
بات ہی ایسی تھی -
ڈاکٹر آصف کا بخار پوری طرح اتر چکا تھا - وہ خوشی سے پھولی
ہتھیں سمار رہی تھی -
ابو وہ کہہ رہی تھی -

آپ نے رات امی کے ساتھ بڑی زیادتی کی ..
" زیادتی ڈاکٹر آصف الجھو کر رہے -

رات آپ نے اسہیں کمرے سے نکل جانے کے لیے
انتہائی تعد سے گٹ گٹ کہا تھا کہ وہ غریب تمام رات روتی
رہیں - اور پھر بھی انہوں نے جاگ کر ساری رات آپ کی تیماردی کی -
ڈاکٹر آصف کو بڑا دکھ ہوا انہوں نے مانی کی طرف محبت بھری

گھونٹ لیں گے۔

ارے ارے کیوں بھی دھکی دے کر ہمیں کیوں نروس
کئے جا رہی ہو۔

یہ دھمکی نہیں ہے۔

بس اب ختم کرو۔

تو کیا میں اسکول جاؤں۔ وہ معصومیت سے بولی۔

ضرور ضرور جاؤ اور.....

کہیئے..... کہیئے..... مانی مسکرائی۔

کچھ نہیں..... جاؤ.....

لیجئے ہم چل دیئے۔ مانی نے انہیں سلام کیا اور کمرے سے
نکل گئی۔ ڈاکٹر آصف سخت پریشان تھے۔ گوکہ وہ ابھی کمزوری
کی وجہ سے آرام کر رہے تھے۔ لیکن اب وہ آسیبہ سے ہرقمیت
پر معافی مانگنا چاہتے تھے اور یہ کام انہیں بڑا مشکل نظر آ رہا تھا
مانی تو صاف طور پر انکار کر گئی تھی۔

سادون وہ اپنے کمرے میں بیٹھے بھی سوچتے رہے۔ آسیبہ
نے گلبدن کے ہاتھ انہیں دلیہ بنا کر بھیج دیا تھا۔ مگر خود قدم
تک نہیں رکھا تھا آصف کے کمرے میں۔

وہ ملازموں سے ہر آدھے گھنٹے بعد انکی طبیعت کے
بارے میں معلوم کر لیتی تھی۔

مانی اسکول سے چھٹی لیکر آگئی۔

لیکن آسیبہ پھر بھی انکے کمرے میں نہ گئی

چلی جائیے امی ابو آپ سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔

مانی آسیبہ سے کہہ رہی تھی۔

کیسی معافی.....

اپنی زیادتیوں کی۔

لیکن ہمارے ساتھ انہوں نے کوئی زیادتی نہیں کی۔
خدا کی قسم ہم اپنا سر کہاں پھوڑیں۔ مانی غصہ کرنے کا اظہار
کرتے ہوئے بولی۔

فی الحال اپنے ابو کے گھسے میں جلاؤ ادا کر سر پھوڑنے کی
نوبت آ ہی جائے تو ان سے ہی سر پھوڑ لینا۔ آسیبہ مسکرا کر بولی۔
میں تو سوچ رہی ہوں کہ گھر پھوڑ کر ہی بھاگ جاؤں۔

کہاں جاؤ گے؟

آپ کے گھر۔

آسیہ مسکرا کر بولی۔ بہن! اسکی ضرورت نہیں پڑے گی

الٹا کرے نہ ہی پڑے۔ مانی تشویش کن انداز میں بولی۔

آسیب نے مسکرا کر اسے اپنے کمرے سے نکال دیا تھا۔

رات کا کھانا آسیب نے اپنے کمرے میں ہی کھایا تھا۔

مانی نے بھی چپ سادھ لی تھی۔

آسیب اپنے بستر پر لمبی سوچ رہی تھی تھپڑ کھا کر صواب کٹا

لال بھونچکا ہو رہے ہیں۔ ہمیں سٹوڈی خبر تھی کہ ہم ان کے ہا پہلے
بندہ جائیں گے۔

جوں جوں رات سجاٹن جا رہی تھی آسیب بے چین ہو رہی تھی

بارہ بجے رات کو یکلخت اس نے اپنا بستر چھوڑ دیا اس نے سوچا

ایک بار سچر قسمت آزمائیتا چلیے۔ وہ مجھ سے معافی بھی تو مانگتا

جا رہے تھے۔ مانی کہہ رہی تھی کہ انہیں اپنی زیادتیوں پر بڑا افسوس ہے

آسیب ہمت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور سلپنگ سوٹ پر گون

پہنتے ہوئے باہر نکل آئی سردی کی ایک تیز لہر نے اسے پردہ سی جان

سے لکڑا دیا۔

وہ تیزی سے چلتے ہوئے ان کے کمرے تک جا پہنچی اند نیلے رنگ

کا زبرد کا بلبل مل رہا تھا۔

آصف بھی بیدار تھے نیند انکی آنکھوں سے دودھ تھی پھر جیسے

ہی انہوں نے آسیب کے قدموں کی آواز دروازے تک آتے
سنی تو انہوں نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

آسیب نے دروازے پر دباؤ دے کر اسے کھولا اور چپکے
سے یوں اندر داخل ہوئی جیسے ہوا۔

اسکی نظریں ڈاکٹر آصف کے چہرے پر جم کر رہ گئیں تھیں
وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ آصف کے قریب پہنچ کر

وہ رک گئی۔ چند لمحوں تک وہ ان کے چہرے پر نظریں جماتی رہی
پھر آہستہ آہستہ جھکی اور پھر یہ کہتے ہوئے باری باری ان کے
دونوں رخسار چوم لیے۔

ہم نہیں جانتے کہ تھپڑ کس رخسار پر مارا تھا۔ اس لیے ہم دونوں
کو بیک وقت بوسہ دیئے دیتے ہیں۔

ڈاکٹر آصف نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔
ان کے جسم میں آسیب کے بوسوں سے بجلی کی سی لہر دوڑ گئی

تھی۔ پھر جیسے ہی آسیب نے اوپر ہونا چاہا آصف کے ضبط کا
پیما نہ چھلک اٹھا۔ انہوں نے ایک دم آسیب کو بازو کے حصار

میں لے کر اپنی چھاتی پر گر لیا۔

اوٹنی..... آسیب کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

یہ کیا چوری کی جا رہی تھی۔ آصف بھولے ہوئے سانسوں درمیان بولے
اور آسیہ نے بے تاب ہو کر اپنا سر ان کے سینے پر رکھ دیا۔
معاف نہیں کرو گی۔ آصف کی آواز لرزی۔

ہونہہ..... آسیہ کا ہنکارا بڑا جذباتی تھا۔
اور ڈاکٹر آصف کے ہونٹوں پر دلاویز مسکراہٹ قفس کراٹھی پھر
وہ آسیہ کے بالوں سے کھیلتے ہوئے بولے۔ ”ہم دونوں ہار گئے
اور وہ دونوں بچیاں جیت گئیں۔“
نہا سمجھے ان سے۔ ”آسیہ دھڑکتے ہوئے دل کیساتھ بولی۔
آصف کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

اور آسیہ ان کے سینے پر لیٹے لیٹے سمٹ کر رہ گئی۔
سردی لگ رہی ہے تو پھر لان میں تشریف لے آئیے۔ آصف
شرارت آمیز آواز میں اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔
آسیہ نے اُٹھ کر جیسے ہی بھاگنا چاہا، ڈاکٹر آصف نے بازو سے
پکڑ کر اُسے پھر سینے پر گرا لیا۔ اور جھٹ آسیہ نے دونوں
ہاتھوں کے حصار میں اپنے چہرے کو چھپا لیا..... نفرت کے بادل
چھٹ گئے تھے اور محبت کی گٹھا دونوں کے سروں پر برس رہی تھی۔

خاتم شد